اس شمارے میں

حرفِ اوّل

دورۂ ترجمۂ قرآن — حافظ خالد محمود خضر — 2

مطالعہ قرآن حکیم

سورۃ البقرۃ (آیات ۷۵ تا ۸۲) — ڈاکٹر اسرار احمد — 3

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح — لطف الرحمٰن خان — 11

حکمت نبویؐ

ماہِ رمضان کے فضائل — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 24

تعلق بالقرآن

وارثین کتابِ الٰہی کے تین گروہ — حافظ محبوب احمد خان — 27

فکر و نظر

ابوشحمہ بن عمرؓ کا واقعہ۔ حقیقت اور افسانہ — مولانا محمد امین الاثری — 33

توضیح و تنقیح

چہرے کا پردہ: واجب، مستحب یا بدعت؟ (۸) — حافظ محمد زبیر — 37

تعارف و تبصرہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 61

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

دار المطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 56 19/10/06
ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

[illegible]

[illegible]

جلد ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ / اکتوبر ۲۰۰۶ء شمارہ ۱۰

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-5869501
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے
انڈیا: 700 روپے۔ ایشیا، یورپ، افریقہ: 1100 روپے۔ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: 1400 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل: دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد اور تعلیم و تعلیم قرآن کی منصوبہ بندی کے ساتھ ۱۹۶۵ء میں لاہور منتقل ہوئے تو تحریک رجوع الی القرآن کی بنیاد اُسی وقت پڑ گئی تھی۔ آغاز میں محترم ڈاکٹر صاحب نے تن تنہا لاہور کی مختلف مساجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی یہی پکار تھی کہ قرآن مجید کو تہہ دل سے اللہ کی کتاب مانا جائے' اسے پڑھا جائے' اسے سمجھا جائے' اس پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل کیا جائے اور اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ آہستہ آہستہ ڈاکٹر صاحب کو ہم خیال افراد ملتے گئے' جنہوں نے ایک قافلے کی صورت اختیار کی اور ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن وجود میں آ گئی۔ قرآنی معاشرے کی تشکیل اور فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی۔ ۱۹۷۶ء میں قرآن اکیڈمی اور ۱۹۸۷ء میں قرآن کالج قائم ہوا۔ یہ سفر جاری رہا اور رجوع الی القرآن کی اس تحریک کا حلقہ اندرونِ ملک پھیلتے پھیلتے بیرونی دنیا میں بھی وسیع ہو گیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۴ء) میں جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور میں نمازِ تراویح کے ساتھ ''دورۂ ترجمۂ قرآن'' کا آغاز کیا' جو تحریک رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا اور اسے قرآن فہمی کے ایک مؤثر ذریعے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے اس سلسلے کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف پاکستان کے طول و عرض میں بلکہ بعض دوسرے ممالک میں بھی دورۂ ترجمہ قرآن کے حلقے قائم ہو گئے اور محترم ڈاکٹر صاحب کے بیٹے اور سینکڑوں شاگرد اس کارِ خیر میں مصروف ہو گئے۔ حسب معمول امسال بھی لاہور اور کراچی میں متعدد مقامات کے علاوہ پاکستان کے مختلف شہروں میں نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام باقاعدگی سے ہو رہے ہیں۔ قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع القرآن میں' جہاں تیئیس سال قبل اس عظیم روایت کا آغاز ہوا تھا' محترم ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر عارف رشید صاحب دورۂ ترجمۂ قرآن کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ طالبانِ قرآن کی ایک بڑی تعداد اس پروگرام میں شریک ہو کر رات کا ایک بڑا حصہ قرآن حکیم کی معیت میں بسر کرتی ہے۔ مزید برآں کیبل نیٹ ورک کے ذریعے اس سے لاہور بھر میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرآن اکیڈمی کراچی کی جامع مسجد میں دورۂ ترجمۂ قرآن کا جو پروگرام مکمل کروایا تھا اس کی ڈیجیٹل ریکارڈنگ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کے آڈیو ویڈیو کیسٹس کے بعد اَب ''بیان القرآن'' سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز بھی پوری دنیا میں پھیل چکی ہیں اور کیو ٹی وی' اے آر وائی اور سٹار پلس جیسے کئی ٹی وی چینلز کے ذریعے قرآن کا انقلابی پیغام پوری دنیا میں نشر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کو صحت و سلامتی عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین!

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۷۵ تا ۸۲

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

اب تک ہم نے سورۃ البقرۃ کے آٹھ رکوع اور ان پر مستزاد تین آیات کا مطالعہ مکمل کیا ہے۔ سابقہ اُمت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کے ساتھ خطاب کا سلسلہ سورۃ البقرۃ کے دس

رکوعوں پر محیط ہے۔ یہ سلسلہ پانچویں رکوع سے شروع ہوا تھا اور پندرہویں رکوع کے آغاز تک چلے گا۔ اس سلسلۂ خطاب کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس میں سے پہلا رکوع دعوت پر مشتمل ہے اور وہ بہت فیصلہ کن ہے' جبکہ اگلے رکوع سے اسلوبِ کلام تبدیل ہو گیا ہے اور تہدید اور دھمکی کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ پانچواں رکوع اس پورے سلسلۂ خطاب میں بمنزلۂ فاتحہ بہت اہم ہے اور جو بقیہ نو (۹) رکوع ہیں ان کے آغاز و اختتام پر بریکٹ کا انداز ہے کہ دو آیتوں سے بریکٹ شروع ہوتی ہے اور انہی دو آیتوں پر بریکٹ ختم ہوتی ہے' جبکہ پانچویں رکوع کے مضامین اس پورے سلسلۂ خطاب سے ضرب کھا رہے ہیں۔ ان رکوعوں میں بنی اسرائیل کے خلاف ایک مفصل فردِ قرارداد جرم عائد کی گئی ہے' جس کے نتیجے میں وہ اُس منصب جلیلہ سے معزول کر دیے گئے جس پر دو ہزار برس سے فائز تھے اور ان کی جگہ پر اب نئی اُمت مسلمہ یعنی اُمت محمد (ﷺ) کا اس منصب پر تقرر عمل میں آیا اور اس مسند نشینی کی تقریب (Installation Ceremony) کے طور پر تحویل قبلہ کا معاملہ ہوا۔ یہ ربطِ کلام اگر سامنے نہ رہے تو انسان قرآن مجید کی طویل سورتوں کو پڑھتے ہوئے کھو جاتا ہے کہ بات کہاں سے چلی تھی اور اب کدھر جا رہی ہے۔

ان نو رکوعوں کے مضامین میں کچھ تو تاریخ بنی اسرائیل کے واقعات بیان ہوئے ہیں کہ تم نے یہ کیا' تم نے یہ کیا! لیکن ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے بعض ایسے عظیم ابدی حقائق اور Universal Truths بیان ہوئے ہیں کہ اُن کا تعلق کسی وقت سے' کسی قوم سے یا کسی خاص گروہ سے نہیں ہے۔ وہ تو ایسے اصول ہیں جنہیں ہم سنّتُ اللہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کائنات میں ایک تو قوانین طبیعیہ (Physical Laws) ہیں' جبکہ ایک Moral Laws ہیں جو اللہ کی طرف سے اس دنیا میں کارفرما ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے زیر مطالعہ نو رکوعوں میں تاریخ بنی اسرائیل کے واقعات کے بیان کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایسی آیات آتی ہیں جو اس سلسلۂ کلام کے اندر انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ اُن میں درحقیقت موجودہ اُمت مسلمہ کے لیے راہنمائی پوشیدہ ہے۔ مثال کے طور پر اس سلسلۂ خطاب کے دوران آیت ۶۱ میں وارد شدہ یہ الفاظ یاد کیجیے: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور ان پر ذلت و خواری اور محتاجی و کم ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے''۔ معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان اُمت

جس پر اللہ کے بڑے فضل ہوئے ہوں' اسے بڑے انعام واکرام سے نوازا گیا ہو' اور پھر وہ اپنی بے عملی یا بدعملی کے باعث اللہ تعالیٰ کے غضب کی مستحق ہو جائے اور ذلت ومسکنت اُس پر تھوپ دی جائے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے جو اِن الفاظ میں بیان ہوگئی۔ اُمت مسلمہ کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا آج ہم تو اُس مقام پر نہیں پہنچ گئے؟

دوسرا اسی طرح کا مقام گزشتہ آیت (۷۴) میں گزرا ہے' جہاں ایک عظیم ابدی حقیقت بیان ہوئی ہے: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ ''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد' پس اب تو وہ پتھروں کی مانند ہیں' بلکہ سختی میں ان سے بھی شدید تر ہیں''۔ گویا اسی اُمت مسلمہ کا یہ حال بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے دل اتنے سخت ہو جائیں کہ سختی میں پتھروں اور چٹانوں کو مات دے جائیں۔ حالانکہ یہ وہی اُمت ہے جس کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ع بہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا! البتہ یہاں ایک بات واضح رہے کہ اس قساوتِ قلبی میں پوری اُمت مبتلا نہیں ہوا کرتی' بلکہ اس کیفیت میں اُمت کے قائدین مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُمت مسلمہ کے قائدین اُس کے علماء ہوتے ہیں۔ چنانچہ سب سے زیادہ شدت کے ساتھ یہ خرابی اُن میں در آتی ہے۔ اس لیے کہ باقی لوگ تو پیروکار ہیں' ان کے پیچھے چلتے ہیں' ان پر اعتماد کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب کے پڑھنے والے اور اس کے جاننے والے ہیں۔ لیکن جو لوگ جان بوجھ کر اللہ کی کتاب میں تحریف کر رہے ہوں اور جانتے بوجھتے حق کو پہچان کر اُس کا انکار کر رہے ہوں انہیں تو پتا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں! درحقیقت یہ سزا اُن پر آتی ہے۔ یہ بات ان آیات میں جو آج ہم پڑھنے چلے ہیں' بہت زیادہ واضح ہو جائے گی (اِن شاء اللہ)۔ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ﴾ ''تو کیا (اے مسلمانو!) تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے؟''

عام مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ یہود دین اسلام کی مخالفت نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ مشرکین مکہ تو دینِ توحید سے بہت دُور تھے' رسالت کا ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں تھا' کوئی کتاب ان کے پاس تھی ہی نہیں۔ جبکہ یہود تو اہل کتاب تھے' حاملینِ تورات تھے' موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے' توحید کے علمبردار تھے اور آخرت کا بھی اقرار کرتے تھے۔ چنانچہ عام مسلمانوں کا خیال تھا کہ انہیں تو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کو جھٹ پٹ مان لینا چاہیے۔ تو مسلمانوں کے دلوں میں یہود کے بارے میں جو حسنِ ظن تھا'

یہاں اس کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانو! تمہیں بڑی طمع ہے' تمہاری یہ خواہش ہے' آرزو ہے' تمنا ہے' تمہیں توقع ہے کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے۔

﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''جبکہ حال یہ ہے کہ ان میں ایک گروہ وہ بھی تھا کہ جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کرتا تھا۔''

ظاہر بات ہے وہ گروہ ان کے علماء ہی کا تھا۔ عام آدمی تو اللہ کی کتاب میں تحریف نہیں کر سکتا۔

اب اگلی آیت میں بڑی عجیب بات سامنے آ رہی ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے درمیان منافقین موجود تھے اسی طرح یہود میں بھی منافقین تھے۔ یہود میں سے کچھ لوگ ایسے تھے کہ جب ان پر حق منکشف ہو گیا تو اب وہ اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے لیے اپنے خاندان کو' گھر بار کو' اپنے کاروبار کو اور اپنے قبیلے کو چھوڑنا بھی ممکن نہیں تھا' جبکہ قبیلوں کی سرداری اُن کے علماء کے پاس تھی۔ ایسے لوگوں کے دل کچھ کچھ اہل ایمان کے قریب آ چکے تھے۔ ایسے لوگ جب اہل ایمان سے ملتے تھے تو کبھی کبھی وہ باتیں بھی بتا جاتے تھے جو انہوں نے علماءِ یہود سے نبی آخر الزمان ﷺ اور ان کی تعلیمات کے بارے میں سن رکھی تھیں کہ تورات ان کی گواہی دیتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے ''شیاطین'' یعنی علماء کے پاس جاتے تھے تو وہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے کہ بیوقوفو! یہ کیا کر رہے ہو؟ تم انہیں یہ باتیں بتا رہے ہو تاکہ اللہ کے ہاں جا کر وہ تم پر حجت قائم کریں کہ انہیں پتا تھا اور پھر بھی انہوں نے نہیں مانا!

آیت ۷۶ ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ﴾ ''اور (ان میں سے کچھ لوگ ہیں کہ) جب ملتے ہیں اہل ایمان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔''

﴿وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ ''اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ''

﴿قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ ''تو کہتے ہیں کیا تم بتا رہے ہو ان کو وہ باتیں جو اللہ نے کھولی ہیں تم پر؟''

﴿لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ ''تا کہ وہ ان کے ذریعے تم پر حجت قائم کریں تمہارے ربّ کے پاس!''

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ ''کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟''

تم ذرا عقل سے کام لو اور یہ حقیقتیں جو تورات کے ذریعے سے ہمیں معلوم ہیں' مسلمانوں کو مت بتاؤ۔ کیا تمہیں عقل نہیں ہے کہ ایسا بیوقوفی کا کام کر رہے ہو؟

ان کے اس مکالمے پر اللہ تعالیٰ کا تبصرہ یہ ہے:

آیت ۷۷ ﴿اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝﴾ ''اور کیا یہ جانتے نہیں ہیں کہ اللہ کو تو معلوم ہے وہ سب کچھ بھی جو وہ چھپاتے ہیں اور وہ سب کچھ بھی جسے وہ ظاہر کرتے ہیں۔''

تم چاہے یہ باتیں مسلمانوں کو بتاؤ یا نہ بتاؤ' اللہ کی طرف سے تو تمہارا محاسبہ ہو کر رہنا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ﴾ ''اور ان میں بعض اَن پڑھ ہیں''

''اُمّی'' کا لفظ قرآن مجید میں اصلاً تو مشرکین عرب کے لیے آتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے اندر پڑھنے لکھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ کوئی آسمانی کتاب بھی اُن کے پاس نہیں تھی۔ لیکن یہاں یہود کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان میں سے بھی ایک طبقہ اَن پڑھ لوگوں پر مشتمل ہے۔ جیسے آج مسلمانوں کا حال ہے کہ اکثر و بیشتر جاہل ہیں' ان میں سے بعض اگرچہ پی ایچ ڈی ہوں گے' لیکن انہیں قرآن کی ''ا' ب' ت'' نہیں آتی' دین کے ''مبادی'' تک سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ آج پڑھے لکھے مسلمانوں کی بھی عظیم اکثریت ''پڑھے لکھے جاہلوں'' پر مشتمل ہے۔ جبکہ ہماری اکثریت ویسے ہی بغیر پڑھی لکھی ہے۔ تو اب انہیں دین کا کیا پتا؟ وہ تو سارا اعتماد کریں گے علماء پر! کوئی بریلوی ہے تو بریلوی علماء پر اعتماد کرے گا' کوئی دیوبندی ہے تو دیوبندی علماء پر اعتماد کرے گا' کوئی اہل حدیث ہے تو اہل حدیث علماء پر اعتماد کرے گا۔ اب اُمیوں کا سہارا کیا ہوتا ہے؟

﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ﴾ ''وہ کتاب کا علم نہیں رکھتے' سوائے بے بنیاد آرزوؤں کے''

ایسے لوگ کتاب سے تو واقف نہیں ہوتے' بس اپنی کچھ خواہشات اور آرزوؤں پر تکیہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان خواہشات کا ذکر آگے آ جائے گا۔ یہود کو یہ زعم تھا کہ ہم تو اسرائیلی ہیں' ہم اللہ کے محبوب ہیں اور اس کے بیٹوں کی مانند چہیتے ہیں' ہماری تو شفاعت ہو ہی جائے گی۔ ہمیں تو جہنم میں داخل کیا بھی گیا تو تھوڑے سے عرصے کے لیے کیا جائے گا' پھر ہمیں نکال لیا جائے گا۔ یہ ان کی ''اَمَانِیّ'' ہیں۔ ''اُمْنِیَّۃٌ'' کہتے ہیں بے بنیاد خواہش کو' اَمَانِی اس کی جمع ہے۔ اس کی صحیح تعبیر کے لیے انگریزی کا لفظ wishful thinkings ہے۔ یہ اپنی ان بے بنیاد خواہشات اور جھوٹی آرزوؤں کے سہارے جی رہے ہیں' کتاب کا علم ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ ''اور وہ کچھ نہیں کر رہے مگر ظن وتخمین پر چلے جا رہے ہیں۔'' ان کے پاس محض وہم وگمان اور ان کے اپنے من گھڑت خیالات ہیں۔

آیت ۷۹ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ﴾ ''پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کے لیے جو کتاب لکھتے ہیں اپنے ہاتھ سے۔''

''ویل'' کے بارے میں بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ جہنم کا وہ طبقہ ہے جس سے خود جہنم پناہ مانگتی ہے۔

﴿ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے''

﴿لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ﴾ ''تاکہ حاصل کر لیں اُس کے بدلے حقیر سی قیمت۔''

یعنی لوگ علماءِ یہود سے شرعی مسائل دریافت کرتے تو وہ اپنے پاس سے مسئلے گھڑ کر فتویٰ لکھ دیتے اور لوگوں کو باور کراتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے' یہی دین کا تقاضا ہے۔ اب اس فتویٰ نویسی میں کتنی کچھ واقعتاً انہوں نے صحیح بات کہی' کتنی ہٹ دھرمی سے کام لیا اور کس قدر کسی رشوت پر مبنی کوئی رائے دی' اللہ کے حضور سب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ علامہ اقبال نے علماءِ سوء کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے: ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

علماءِ یہود کا کردار اسی طرح کا تھا۔

﴿فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''تو ہلاکت اور بربادی ہے ان کے لیے اس چیز سے کہ جو اُن کے ہاتھوں نے لکھی''

﴿وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴾ ''اور اُن کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے اس کمائی سے جو وہ کر رہے ہیں۔''

یہ فتویٰ فروشی اور دین فروشی کا جو سارا دھندا ہے اس سے وہ اپنے لیے تباہی اور بربادی مول لے رہے ہیں' اس سے اُن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اب آگے ان کی بعض ''اَمَانِیّ'' کا تذکرہ ہے۔

آیت ۸۰ ﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ ''اور وہ کہتے ہیں ہمیں تو آگ ہرگز چھو نہیں سکتی' مگر گنتی کے چند دن۔''

گویا صرف دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ہمیں چند دن کی سزا دے دی جائے گی کہ کوئی اعتراض نہ کر دے کہ ''اے اللہ! ہمیں آگ میں پھینکا جا رہا ہے اور انہیں نہیں پھینکا جا رہا' جبکہ یہ کردار میں ہم سے بھی بدتر تھے''۔ چنانچہ اُن کا مُنہ بند کرنے کے لیے شاید ہمیں چند دن کے لیے آگ میں ڈال دیا جائے' پھر فوراً نکال لیا جائے گا۔

﴿قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا﴾ ''ان سے کہیے کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے؟'' کیا تمہارا اللہ سے کوئی قول و قرار ہو گیا ہے؟

﴿فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ﴾ ''کہ اب (تمہیں یہ یقین ہے کہ) اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا؟''

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''یا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگا رہے ہو جنہیں تم نہیں جانتے؟''

حقیقت یہی ہے کہ تم اللہ کی طرف اس بات کی نسبت کر رہے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی فردِ قرارداد جرم کے دوران گاہ بگاہ جو اہم ترین ابدی حقائق بیان ہو رہے ہیں' ان میں سے ایک عظیم حقیقت اگلی آیت میں آ رہی ہے۔ فرمایا:

آیت ۸۱ ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ ''کیوں نہیں' جس شخص نے جان بوجھ کر ایک گناہ کمایا''

لیکن اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے' صغیرہ نہیں۔ سَيِّئَةً کی تنکیر ''تفخیم'' کا فائدہ بھی دے رہی ہے۔

﴿وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ﴾ ''اور اس کا گھیراؤ کر لیا اس کے گناہ نے''

مثلاً ایک شخص سود خوری سے باز نہیں آ رہا' باقی وہ نماز کا بھی پابند ہے اور تہجد کا بھی التزام کر رہا ہے تو اس ایک گناہ کی برائی اس کے گرد اس طرح چھا جائے گی کہ پھر اُس کی یہ ساری نیکیاں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ گناہ کے احاطہ کر لینے سے مراد یہ ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کر لیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو' حتیٰ کہ دل سے ایمان و تصدیق رخصت ہو جائے۔ علماء کے ہاں یہ اصول مانا جاتا ہے کہ ''اَلْمَعَاصِیْ بَرِیْدُ الْکُفْرِ'' یعنی گناہ تو کفر کی ڈاک ہوتے ہیں۔ گناہ پر مداومت کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ دل سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے' لیکن اندر سے ایمان ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ جس طرح کسی دروازے کی چوکھٹ کو دیمک چاٹ جاتی ہے اور اوپر لکڑی کا ایک باریک پرت (veneer) چھوڑ جاتی ہے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ''پس یہی ہیں آگ والے''

﴿ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۸۲ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں''

اب نیک عمل کے بارے میں ہر شخص نے اپنا ایک تصور اور نظریہ بنا رکھا ہے۔ جبکہ نیک عمل سے قرآن مجید کی مراد دین کے سارے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ محض کوئی خیراتی ادارہ یا کوئی یتیم خانہ کھول دینا یا بیواؤں کی فلاح و بہبود کا انتظام کر دینا اور خود سودی لین دین اور دھوکہ فریب پر مبنی کاروبار ترک نہ کرنا نیکی کا مسخ شدہ تصور ہے۔ جبکہ نیکی کا جامع تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ تمام فرائض کی بجا آوری ہو' دین کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں' اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد اور مجاہدہ کیا جائے اور اس کے دین کو قائم اور سربلند کرنے کی جدوجہد کی جائے۔

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ ''یہی ہیں جنت والے''

﴿ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۲۱۷

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۠ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

ص د د

صَدَّ (ن۔ض) صَدًّا اور صُدُوْدًا : (۱) کسی چیز سے رُک جانا (لازم)۔ (۲) کسی کو کسی چیز سے روک دینا (متعدی)۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ﴾ (النساء:۵۵) ''تو ان میں وہ بھی ہیں جو ایمان لائے اس پر اور ان میں وہ بھی ہیں جو رُک گئے اس سے۔'' ﴿اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى.....﴾ (سبا:۳۲) ''کیا ہم نے روکا تم کو ہدایت سے.....؟''

صَدِیْدٌ (فَعِیْلٌ کا وزن) :خون ملا ہوا مواد' پیپ (کیونکہ یہ کھال اور گوشت کے درمیان رُکا وٹ ہوتی ہے)﴿وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ﴾ (ابرٰھیم) ''اور وہ پلایا جائے گا پیپ والے پانی میں سے۔''

ز ی ل

زَالَ (ف) زَیْلًا :کسی چیز کا اپنی جگہ سے ہٹنا' زائل ہونا۔

مَا زَال اور لَا یَزَالُ افعال ناقصہ میں سے ہیں۔

زَیَّلَ (تفعیل) تَزْیِیْلًا : الگ الگ کرنا' جدا جدا کرنا۔﴿ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا مَکَانَکُمْ اَنْتُمْ وَشُرَکَآؤُکُمْ فَزَیَّلْنَا بَیْنَھُمْ﴾ (یونس:۲۸) ''پھر ہم کہیں گے اُن سے جنہوں نے شرک کیا کہ رہو اپنی جگہ' تم بھی اور تمہارے شرکاء بھی' پس ہم الگ الگ کریں گے ان کو ایک دوسرے سے۔''

تَزَیَّلَ (تفعّل) تَزَیُّلًا :الگ الگ ہونا۔﴿لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ (الفتح) ''اگر وہ لوگ الگ الگ ہوتے تو ہم ضرور عذاب دیتے ان کو دردناک عذاب جنہوں نے کفر کیا ان میں سے۔''

ح ب ط

حَبِطَ (س) حَبْطاً :کسی چیز کا اکارت ہونا' بے کار ہونا۔﴿وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ﴾ (المائدۃ:۵) ''اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو اکارت گیا اس کا عمل۔''

اَحْبَطَ (افعال) اِحْبَاطًا :کسی چیز کو اکارت کر دینا۔﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ﴾ (محمد) ''یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا اس کو جو اللہ نے اُتارا تو اُس نے اکارت کر دیا ان کے اعمال کو۔''

ترکیب : ''اَلشَّھْرِ'' پر لامِ جنس ہے اور ''اَلْحَرَامِ'' اس کی صفت ہونے کی وجہ سے معرّف باللّام ہے۔ اس مرکب توصیفی کا بدل ہونے کی وجہ سے ''قِتَالٍ'' مجرور ہے۔ ''فِیْہِ'' میں ''ہٗ'' کی ضمیر ''اَلشَّھْرِ الْحَرَامِ'' کے لیے ہے اور لفظی رعایت کے تحت ضمیر واحد آئی ہے' لیکن لامِ جنس کی وجہ سے دونوں جگہ ترجمہ جمع میں ہوگا۔ ''قُلْ'' کے بعد قاعدۂ کلیہ کا بیان ہے اس لیے ''قِتَالٌ'' مبتدأ نکرہ آیا ہے اور ''کَبِیْرٌ'' اس کی خبر ہے' اور یہ بذاتِ خود صفت ہے جبکہ اس کا موصوف ''اِثْمٌ'' محذوف ہے۔ ''وَصَدٌّ'' سے ''اَھْلِہٖ مِنْہُ'' تک پورا فقرہ مبتدأ ہے۔ اس میں ''بِہٖ'' کی ''ہٗ'' کی ضمیر ''سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے لیے ہے۔ ''سَبِیْلٌ'' مذکر

اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے مذکر ضمیر بھی جائز ہے۔ ''وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' کی جر بتا رہی ہے کہ یہ ''صَدٌّ عَنْ'' پر عطف ہے۔ ''اَهْلِهٖ'' اور ''مِنْهُ'' کی ضمیریں ''اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' کے لیے ہیں۔ ''اَكْبَرُ'' اس پورے فقرے کی خبر ہے اور اس کی تمیز ''اِثْمًا'' محذوف ہے۔ ''وَالْفِتْنَةُ'' پر لام جنس ہے۔

''لَا يَزَالُوْنَ'' سے ''عَنْ دِيْنِكُمْ'' تک جوابِ شرط ہے اور ''اِنِ اسْتَطَاعُوْا'' اس کی شرط ہے۔ ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''يَرْتَدِدْ'' سے ''كَافِرٌ'' تک شرط ہے جبکہ ''فَاُولٰٓئِكَ'' سے ''وَالْاٰخِرَةِ'' تک جوابِ شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے ''يَرْتَدِدْ'' اور ''يَمُتْ'' مجزوم ہیں۔ ''اَعْمَالٌ'' غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل ''حَبِطَتْ'' واحد مؤنث آیا ہے۔ ''اَلدُّنْيَا'' اور ''اَلْاٰخِرَةِ'' دونوں صفت ہیں اور ان دونوں کا موصوف ''اَلْحَيٰوةِ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

يَسْئَلُوْنَكَ : وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ: محترم مہینوں کے بارے میں
قِتَالٍ فِيْهِ: (یعنی) ان میں جنگ کرنے کے بارے میں	قُلْ : آپؐ کہہ دیجیے
قِتَالٌ : جنگ کرنا	فِيْهِ : ان میں
كَبِيْرٌ: بڑا (گناہ) ہے	وَصَدٌّ : اور روکنا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کے راستے سے	وَكُفْرٌ: اور انکار کرنا
بِهٖ : اس کا	وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : اور مسجد حرام (سے روکنا)
وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ : اور اس کے لوگوں کو نکالنا	مِنْهُ : اس سے
اَكْبَرُ : زیادہ بڑا (گناہ) ہے	عِنْدَ اللّٰهِ : اللہ کے نزدیک
وَالْفِتْنَةُ : اور ہر تشدد	اَكْبَرُ : زیادہ بڑا (گناہ) ہے
مِنَ الْقَتْلِ : قتل سے	وَلَا يَزَالُوْنَ : اور ہمیشہ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ : وہ لوگ جنگ کریں گے تم لوگوں سے	حَتّٰى : یہاں تک کہ

يَرُدُّوْكُمْ :وہ پھیر دیں تم کو
اِنِ اسْتَطَاعُوْا :اگر ان کے بس میں ہو
يَرْتَدِدْ :واپس پھرا
عَنْ دِيْنِهٖ :اپنے دین سے
وَهُوَ :اس حال میں کہ وہ
فَاُولٰٓئِكَ :تو یہ وہ لوگ ہیں
اَعْمَالُهُمْ :جن کے اعمال
وَاُولٰٓئِكَ :اور وہ لوگ
هُمْ :وہ لوگ

عَنْ دِيْنِكُمْ :تمہارے دین سے
وَمَنْ :اور جو
مِنْكُمْ :تم میں سے
فَيَمُتْ :پھر وہ مرا
كَافِرٌ :کافر ہے
حَبِطَتْ :اکارت ہوئے
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ :دنیا اور آخرت میں
اَصْحٰبُ النَّارِ :آگ والے ہیں
فِيْهَا :اس میں
خٰلِدُوْنَ :ہمیشہ رہنے والے ہیں

نوٹ (۱) : البقرۃ کی آیت ۱۹۱ کے نوٹ (۳) میں بیان کیا گیا تھا کہ وہاں پر لفظ ''اَلْفِتْنَةُ'' تشدد کے معنی میں آیا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ آیت زیر مطالعہ اس بات کی سند ہے' کیونکہ یہاں جبر و تشدد کی مثالیں دینے کے بعد وہی بات کہی گئی ہے کہ تشدد خواہ کسی بھی شکل میں ہو' وہ بہر حال قتل سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

نوٹ (۲) : اِرْتِدَادٌ کا اصل مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوا اور پھر اسلام چھوڑ کر اپنے پہلے مذہب میں واپس چلا گیا۔ ابتداءِ اسلام میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوتا تھا اور ''مُرتد'' ایسے شخص کو کہتے تھے جو اسلام چھوڑ کر اپنے پرانے مذہب میں واپس چلا جاتا۔ لیکن اصطلاحاً اب یہ ایسے لوگوں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا ہے جو اسلام میں تھے اور پھر انہوں نے کوئی دوسرا مذہب قبول کر لیا۔

آیت ۲۱۸

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ہ ج ر

هَجَرَ (ن) هَجْرًا : (۱) قطع تعلق کرنا' چھوڑنا۔ (۲) نیند یا بیماری میں بڑبڑانا' بلا سوچے سمجھے بکواس کرنا۔ ﴿بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾ (المؤمنون) ''رات کی مجلس میں تم

لوگ بکواس کرتے ہو۔''

اُهْجُرْ (فعل امر): تو قطع تعلق کر' تو چھوڑ۔ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾ (المدثر) ''اور گندگی کو آپ چھوڑیں۔''

مَهْجُوْرٌ (اسم المفعول): قطع تعلق کیا ہوا' چھوڑا ہوا۔ ﴿يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝﴾ (الفرقان) ''اے میرے ربّ! بیشک میری قوم نے بنایا اس قرآن کو قطع تعلق کیا ہوا۔''

هَاجَرَ (مفاعلہ) هِجْرَةً: (اس کا مصدر ''هِجَارًا'' نہیں آتا۔ ''مُهَاجَرَةً'' جائز ہے' لیکن زیادہ تر خلافِ معمول ''هِجْرَةً'' استعمال ہوتا ہے)۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنانا' ہجرت کرنا۔ ﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ﴾ (الحشر:۹) ''وہ لوگ محبت کرتے ہیں اُس سے جس نے ہجرت کی ان کی طرف۔''

مُهَاجِرٌ (اسم الفاعل): ہجرت کرنے والا۔ ﴿اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ط﴾ (العنکبوت:۲۶) ''بیشک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے ربّ کی طرف۔''

رج و

رَجَا (ن) رَجْوًا: کسی سے اُمید باندھنا' اُمید کرنا۔ ﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ط﴾ (النساء:۱۰۴) ''اور تم لوگ اُمید رکھتے ہو اللہ سے اس کی جس کی وہ لوگ اُمید نہیں رکھتے۔''

اُرْجُ (فعل امر): تو اُمید رکھ۔ ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (العنکبوت:۳۶) ''اے میری قوم! تم لوگ بندگی کرو اللہ کی اور اُمید رکھو آخرت کی۔''

مَرْجُوٌّ (اسم المفعول): اُمید کیا ہوا (جس سے اُمیدیں وابستہ ہوں)۔ ﴿قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا﴾ (ھود:۶۲) ''انہوں نے کہا اے صالح (علیہ السلام)! تو رہا ہے ہم میں اُمید کیا ہوا اس سے پہلے۔''

رَجَاءٌ ج اَرْجَاءٌ: کسی چیز کا کنارہ۔ ﴿وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا ط﴾ (الحاقۃ:۱۷) ''اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔''

اَرْجٰى (افعال) اِرْجَاءً: کسی کو اُمید دلانا' ٹال دینا' مؤخر کرنا۔ ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ﴾ (الاحزاب:۵۱) ''آپ پیچھے کریں اس کو جس کو آپ چاہیں ان میں سے۔''

اَرْجِ (فعل امر): تو ٹال' مؤخر کر۔ ﴿قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ

حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ (الاعراف) ''انہوں نے کہا تو ٹال دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔''

ترکیب : ''اَلَّذِیْنَ'' سے ''سَبِیْلِ اللّٰہِ'' تک ''اِنَّ'' کا اسم ہے جبکہ ''اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ'' اس کی خبر ہے۔ جمع مؤنث سالم کے علاوہ جس لفظ کے لام کلمہ پر ''تا'' آتی ہے اسے تائے مبسوط سے لکھتے ہیں۔ جیسے ''وَقْتٌ'' کو ''وَقْۃٌ'' لکھنا غلط ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر تائے مربوط استعمال ہوتی ہے۔ ''رَحْمَۃٌ'' بھی تائے مربوط سے ہی لکھا جاتا ہے جبکہ ''رَحْمَتٌ'' قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔

ترجمہ:

اِنَّ : بیشک	اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا : جو لوگ ایمان لائے
وَالَّذِیْنَ : اور جن لوگوں نے	هَاجَرُوْا : ہجرت کی
وَجٰهَدُوْا : اور جہاد کیا	فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ میں
اُولٰٓئِکَ : وہ لوگ	یَرْجُوْنَ : اُمید رکھتے ہیں
رَحْمَتَ اللّٰہِ : اللہ کی رحمت کی	وَاللّٰہُ : اور اللہ
غَفُوْرٌ : بے انتہا بخشنے والا ہے	رَّحِیْمٌ : ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

آیت ۲۱۹

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ؕ﴾

خ م ر

خَمَرَ (ن) خَمْرًا : کسی چیز کو ڈھانپنا' چھپانا۔

خَمْرٌ (اسم ذات بھی ہے) : شراب (کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ دیتی ہے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

خِمَارٌ ج خُمُرٌ (اسم ذات) : دوپٹہ' اوڑھنی۔ ﴿وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۫﴾ (النور: ۳۱) ''اور خواتین کو چاہیے کہ وہ لپیٹیں اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر۔''

ف ک ر

فَكَرَ (ض) فِكْرًا : معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے چھان بین کرنا' سوچ بچار کرنا۔
فَكَّرَ (تفعیل) تَفْكِيرًا : تسلسل سے سوچ وچار کرتے رہنا' کثرت سے سوچ بچار کرنا۔ ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ﴾ (المدّثر) ''بیشک اس نے بہت سوچ بچار کیا اور طے کیا۔''
تَفَكَّرَ (تفعّل) تَفَكُّرًا : بتکلف سوچ بچار کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''اِثْمٌ كَبِيْرٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر ''وَاجِبٌ'' محذوف ہے اور قائم مقام خبر ''فِيْهِمَا'' مقدم ہے اور اس کی ضمیر ''اَلْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ'' کے لیے ہے۔ ''مَنَافِعُ'' بھی مبتدأ نکرہ ہے۔ اس کی خبر ''مَوْجُوْدَةٌ'' محذوف ہے اور ''لِلنَّاسِ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''اَلْعَفْوَ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے ''اَنْفِقُوْا'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

يَسْئَلُوْنَكَ : وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ: جوئے اور شراب کے بارے میں
قُلْ : آپؐ کہہ دیجیے	فِيْهِمَآ : ان دونوں میں
اِثْمٌ كَبِيْرٌ : ایک بڑا گناہ ہے	وَّمَنَافِعُ : اور کچھ فائدہ اٹھانے کی چیزیں ہیں
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے	وَاِثْمُهُمَآ : اور ان دونوں کا گناہ
اَكْبَرُ : زیادہ بڑا ہے	مِنْ نَّفْعِهِمَا: ان دونوں کے فائدے سے
وَيَسْئَلُوْنَكَ : اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	مَاذَا : کیا کچھ
يُنْفِقُوْنَ: وہ لوگ خرچ کریں	قُلِ : آپؐ کہہ دیجیے
الْعَفْوَ: (خرچ کرو) اضافی کو	كَذٰلِكَ : اس طرح
وَيُبَيِّنُ : واضح کرتا ہے	اللّٰهُ : اللہ
لَكُمُ: تمہارے لیے	الْاٰيٰتِ : نشانیوں (یعنی ہدایات) کو
لَعَلَّكُمْ : شاید کہ تم لوگ	تَتَفَكَّرُوْنَ : سوچ بچار کرو
فِي الدُّنْيَا : دُنیا میں	وَالْاٰخِرَةِ : اور آخرت میں

نوٹ (۱) : زیر مطالعہ سورت کی آیت ۱۸۴ کے نوٹ (۱) میں بیان کیا جا چکا ہے کہ

اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے گئے تھے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں بھی شراب اور جوئے کے متعلق پہلا عبوری حکم آیا ہے اور اس میں اس اصول کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کسی چیز کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں تو اس کو چھوڑ دینے میں ہمارا اپنا بھلا ہے۔

شراب کے متعلق دوسرا عبوری حکم سورۃ النساء کی آیت ۴۳ میں آیا جب نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ اس کے بعد سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۰ میں شراب' جوا اور کچھ مزید چیزوں کو حتمی طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔

نوٹ (۲) : آیت ۲۱۵ اور آیت زیر مطالعہ میں انفاق کے متعلق سوال اور اس کے جواب کی وضاحت ''معارف القرآن'' میں تفصیل سے کی گئی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) پہلے سوال میں پوچھا گیا تھا کہ کتنا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ ہمارے انفاق کے مستحق کون لوگ ہیں۔ اور کتنا خرچ کریں؟ کے ضمن میں اصول بتا دیا کہ مالی انفاق ہو یا کوئی اور بھلائی ہو' جو بھی نیکی ہم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے' یعنی اس کا ثواب ہم کو مل جائے گا۔ دوسرے سوال میں صرف یہ پوچھا گیا تھا کہ کتنا خرچ کریں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جو ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کرو۔

(۲) ان دونوں سوالات کا تعلق نفلی انفاق سے ہے۔ کیونکہ فرض انفاق یعنی زکوٰۃ کے نصاب' اس کی مقدار اور اس کے مستحقین کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ابہام نہیں تھا۔ (چونکہ نفلی عبادات میں مقدار کا تعین نہیں ہوتا اس لیے ان سوالات کے جواب میں بھی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا۔ مرتب)

(۳) نفلی انفاق کے مستحقین میں سرفہرست والدین اور رشتہ دار ہیں۔ اگر ثواب کی نیت سے ان کو تحفہ دیا جائے یا کھلایا جائے تو یہ انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔

(۴) اپنے زیر کفالت اہل وعیال کو تنگی میں ڈال کر انفاق کرنا ثواب نہیں ہے۔

(۵) جو کچھ ضرورت سے زائد ہو وہ سارے کا سارا اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا ضروری یا واجب نہیں ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ بات ثابت ہے۔

نوٹ (۳) : اس مطالعہ کا نچوڑ اپنی سمجھ میں تو بس اتنا سا آیا ہے کہ جب ایک مرتبہ ہم کو بتا دیا گیا کہ ہم جو بھی نیکی کریں گے اس کا ثواب ہمیں ملے گا' تو اب ہر شخص کو خود فیصلہ

کرنا چاہیے کہ اسے کتنے ثواب کی ضرورت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے پوچھنے والی کون سی بات ہے؟ اور جس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا وہ سوال علماء کرام سے پوچھنے کا کیا تک ہے؟

آیت ۲۲۰

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

خ ل ط

خَلَطَ (ض) خَلْطاً : مختلف چیزوں کے اجزاء کو باہم ملا دینا۔ ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ﴾ (التوبۃ:۱۰۲) ''ان لوگوں نے ملایا نیک عمل کو اور دوسرے بُرے کو (یعنی برے عمل کو)۔''

خَلِيْطٌ ج خُلَطَاءُ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : حصہ دار، شریک۔ ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ﴾ (صٓ:۲۴) ''اور بیشک شرکاء میں سے اکثر زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر۔''

خَالَطَ (مفاعلہ) مُخَالَطَةً اور خِلَاطًا : کسی کے ساتھ میل جول رکھنا، رَل مِل کر رہنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اِخْتَلَطَ (افتعال) اِخْتِلَاطًا : مختلف چیزوں کا ایک دوسرے سے مل جانا، گھ جانا۔ ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ (یونس:۲۴) ''تو گھ گیا اس سے زمین کا سبزہ۔''

ع ن ت

عَنِتَ (س) عَنَتًا : مشکل میں پڑنا۔ ﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ﴾ (آل عمران:۱۱۸) ''وہ لوگ آرزو کرتے ہیں اس کی جس سے تم لوگ مشکل میں پڑو۔''

اَعْنَتَ (افعال) اِعْنَاتًا : کسی کو مشکل میں ڈالنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''اِصْلَاحٌ لَّهُمْ'' مبتدأ ہے اور ''خَيْرٌ'' اس کی خبر ہے۔ ''اِنْ'' شرطیہ ہے۔ ''تُخَالِطُوْهُمْ'' شرط ہے۔ ''فَاِخْوَانُكُمْ'' جوابِ شرط ہے اور یہ خبر ہے۔ اس کا مبتدأ ''هُمْ'' محذوف ہے۔ ''اَلْمُفْسِدَ'' اور ''اَلْمُصْلِحِ'' پر لامِ جنس ہے۔ ''لَوْ'' شرطیہ ہے۔

''شَآءَ اللّٰہُ'' شرط اور ''لَاَعْنَتَکُمْ'' جواب شرط ہے۔

ترجمہ:

وَیَسْئَلُوْنَکَ : اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے	عَنِ الْیَتٰمٰی : یتیموں کے بارے میں
قُلْ : آپ کہہ دیجیے	اِصْلَاحٌ : سنوارنا
لَّھُمْ : ان کے لیے	خَیْرٌ : ایک بھلائی ہے
وَاِنْ : اور اگر	تُخَالِطُوْھُمْ : تم لوگ رَل مِل کر رہو ان کے ساتھ
فَاِخْوَانُکُمْ : تو وہ تمہارے بھائی ہیں	وَاللّٰہُ : اور اللہ
یَعْلَمُ : جانتا ہے	الْمُفْسِدَ : فسادی لوگوں کو
مِنَ الْمُصْلِحِ : سنوارنے والوں میں سے	وَلَوْ : اور اگر
شَآءَ : چاہتا	اللّٰہُ : اللہ
لَاَعْنَتَکُمْ : تو وہ مشکل میں ڈالتا تم لوگوں کو	اِنَّ اللّٰہَ : یقیناً اللہ
عَزِیْزٌ : بالادست ہے	حَکِیْمٌ : حکمت والا ہے

نوٹ (۱) : زیر مطالعہ سورۃ کی آیت ۱۸۴ کے نوٹ (۱) میں بتایا گیا تھا کہ اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے گئے تھے۔ اب نوٹ کر لیں کہ کچھ احکام میں صورت حال اس کے برعکس بھی تھی۔ یعنی پہلے سخت حکم آیا اور پھر بعد میں اس میں نرمی کی گئی۔ آیت زیر مطالعہ اس قسم کے احکام کی ایک مثال ہے۔

پہلے سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۲ میں حکم آیا تھا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ سوائے اس طریقے کے جو بہترین ہو۔ پھر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۳۴ میں بالکل انہی الفاظ میں اس حکم کا اعادہ کیا گیا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے زیر کفالت یتیموں کا حساب بالکل الگ کر دیا' یہاں تک کہ ان کے کھانے بھی الگ پکتے تھے اور اس میں سے یتیم کے علاوہ کوئی دوسرا فرد کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس کی وجہ سے کچھ قباحتیں بھی پیدا ہوئیں اور مغائرت اور دوری کا احساس بھی پیدا ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حکم میں نرمی کی گئی۔

آیت ۲۲۱

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۭ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾

ن ك ح

نَكَحَ (ض) نَكْحًا : شادی کرنا' کسی سے نکاح کرنا۔ ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ﴾ (البقرۃ: ۲۳۰) ''تو وہ خاتون حلال نہیں ہے اس کے لیے اس کے بعد یہاں تک کہ وہ خاتون نکاح کرے کسی شوہر سے اس کے علاوہ۔''

اِنْكِحْ (فعل امر) : تو نکاح کر۔ ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ﴾ (النساء: ۲۵) ''پس تم لوگ نکاح کرو اُن خواتین سے ان کے گھر والوں کی اجازت سے۔''

نِكَاحٌ (اسم فعل) : شادی' نکاح۔ ﴿اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ﴾ (البقرۃ: ۲۳۷) ''سوائے اس کے کہ وہ خواتین معاف کر دیں یا وہ بڑھا دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔''

اَنْكَحَ (افعال) اِنْكَاحًا : کسی کو کسی کے نکاح میں دینا۔ ﴿اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ﴾ (القصص: ۲۷) ''بیشک میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میں نکاح میں دوں تیرے اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کو۔''

اَنْكِحْ (فعل امر) : تو نکاح میں دے۔ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ (النور: ۳۲) ''اور تم لوگ نکاح میں دو اپنوں میں سے بیواؤں کو۔''

اِسْتَنْكَحَ (استفعال) اِسْتِنْكَاحًا : کسی سے نکاح کرنا یا نکاح چاہنا۔ ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۡ﴾ (الاحزاب: ۵۰) ''اگر ارادہ کریں نبی (ﷺ) کہ وہ نکاح کریں اس سے۔''

ء م و

اَمَا (ن) اُمُوَّةً : کسی عورت کا لونڈی بننا' کنیز بننا۔

اَمَۃٌ ج اِمَاءٌ (اسم ذات) : لونڈی' کنیز۔ آیت زیر مطالعہ۔ ﴿وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ﴾ (النور:۳۲) ''اور تم لوگ نکاح میں دو اپنوں میں سے بیواؤں کو اور اپنے نیک غلاموں کو اور کنیزوں کو۔''

ترکیب : ''لَا تَنْکِحُوْا'' باب ضرب سے فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اس میں ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے۔ ''اَلْمُشْرِکٰتِ'' اس کا مفعول ہے۔ ''یُؤْمِنَّ'' جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس لیے اس پر ''حَتّٰی'' کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ ''اَمَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ'' مبتدأ نکرہ ہے اور اس پر لام تاکید ہے' جبکہ ''خَیْرٌ'' اس کی خبر ہے۔ یہاں مبتدأ مونث ہے جبکہ اس کی خبر مذکر آئی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ''خَیْرٌ'' اسم التفضیل کے طور پر آیا ہے اور ''مِنْ'' کے ساتھ استعمال ہونے کی صورت میں اسم التفضیل ہر حالت میں واحد اور مذکر ہی رہتا ہے خواہ اس کا موصوف یعنی مبتدأ تثنیہ یا جمع یا مؤنث ہی کیوں نہ ہو۔ ''لَا تَنْکِحُوْا'' باب افعال سے فعل نہی ہے۔ اس کے دو مفعول آتے ہیں۔ مفعول اوّل جس کے نکاح میں دیا اور مفعول ثانی جس کو نکاح میں دیا۔ ''اَلْمُشْرِکِیْنَ'' مفعول اوّل ہے جبکہ مفعول ثانی محذوف ہے۔ ''یُؤْمِنُوْا'' جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور ''حَتّٰی'' کی وجہ سے منصوب ہے' اس لیے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''یَدْعُوْا'' دراصل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ''یَدْعُوْ'' ہے۔ اس کے آگے ''الف'' کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ ''یُبَیِّنُ'' کا فاعل ''ھُوَ'' کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ:

وَلَا تَنْکِحُوا : اور تم لوگ نکاح مت کرو	اَلْمُشْرِکٰتِ : مشرک خواتین سے
حَتّٰی : یہاں تک کہ	یُؤْمِنَّ : وہ ایمان لے آئیں
وَلَاَمَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ : اور یقیناً کوئی مؤمن کنیز	خَیْرٌ : بہتر ہے
مِّنْ مُّشْرِکَۃٍ : کسی مشرک خاتون سے	وَلَوْ : اور خواہ
اَعْجَبَتْکُمْ : وہ دلکش لگے تم لوگوں کو	وَلَا تُنْکِحُوا : اور تم لوگ نکاح میں مت دو
اَلْمُشْرِکِیْنَ : مشرکوں کے	حَتّٰی : یہاں تک کہ
یُؤْمِنُوْا : وہ لوگ ایمان لے آئیں	وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ : اور یقیناً ایک مؤمن غلام
خَیْرٌ : بہتر ہے	مِّنْ مُّشْرِکٍ : کسی مشرک سے

وَلَوْ: اورخواہ — اَعْجَبَكُمْ: وہ بھلا لگے تم کو

اُولٰٓئِكَ: وہ لوگ — يَدْعُوْنَ: بلاتے ہیں

اِلَى النَّارِ: آگ کی طرف — وَاللّٰهُ: اوراللہ

يَدْعُوْٓا: بلاتا ہے — اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ: جنت اور مغفرت کی طرف

بِاِذْنِهٖ: اپنی اجازت سے — وَيُبَيِّنُ: اوروہ واضح کرتا ہے

اٰيٰتِهٖ: اپنی نشانیوں کو — لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے

لَعَلَّهُمْ: شاید کہ وہ لوگ — يَتَذَكَّرُوْنَ: یاددہانی حاصل کریں

نوٹ (۱): زیر مطالعہ سورۃ کی آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوئے سے اجتناب اور زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرنے کی ہدایت دراصل اصلاحِ معاشرہ کا سنگِ بنیاد ہے۔ پھر آیت ۲۲۰ میں یتیموں کے حقوق کا ذکر اسی تصویر کا دوسرا رُخ ہے۔ اور اب آیت زیر مطالعہ سے شادی بیاہ کے معاملات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو آیت ۲۴۲ تک جاری رہے گا۔ یہ بھی اصلاحِ معاشرہ کے اُسی سنگِ بنیاد کا تیسرا زاویہ (dimension) ہے۔

جب کوئی معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ ہوتا ہے تو اس میں برائیوں سے بچنا اور نیکیوں پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں مغفرت اور جنت کا حصول بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی معاشرہ فتنوں اور فساد کا شکار ہو جاتا ہے تو صورت حال برعکس ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں دوزخ میں داخلہ آسان ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 30روپے   اشاعت عام: 15روپے

ماہِ رمضان کے فضائل

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ)) ـــــ وَفِیْ رِوَایَةٍ : ((اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ)) (رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں' دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں (اور ایک روایت میں ہے: رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں)''۔

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ حرم شریف کی زمین کو روئے ارضی کے ہر خطہ پر فضیلت حاصل ہے' ہفتے کے دنوں میں جمعہ کے دن کو دوسرے ایام پر فضیلت حاصل ہے' اسی طرح مہینوں میں ماہِ رمضان کو دیگر مہینوں پر خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ اسی ماہِ مبارک میں قرآن مجید نازل ہوا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت اور راہ نمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اس ماہ کی یہ منفرد خاصیت بتائی ہے کہ رمضان شروع ہوتے ہی جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں' جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ یوں لوگوں کے لیے ماحول سازگار بنا دیا جاتا ہے جس میں نیکیاں کمانا آسان ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ماہِ مبارک میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر گنا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھنے میں آتا ہے کہ رمضان شریف میں مسجدوں کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے اور لوگ جوق در جوق مسجدوں میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو لوگ رمضان کے مہینے میں ہی مسجد میں آنا شروع کرتے ہیں یا تو وہ دورانِ رمضان ہی مسجد کے ساتھ تعلق توڑ بیٹھتے ہیں یا

پھر رمضان کے بعد وہ مسجد میں آنا چھوڑ دیتے ہیں' اِلّا ماشاء اللہ۔ اس کی وجہ صاف نظر آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سازگار ماحول مہیا کیا جاتا ہے تو لوگ اس سے فوری متاثر ہو کر نیکی کی طرف راغب تو ہوتے ہیں' مگر اُن کی سالہا سال کی بداعمالی غالب آ جاتی ہے اور انہیں اس سازگار ماحول سے بھی فائدہ اٹھانے کی توفیق میسر نہیں آتی۔ رمضان اپنی سعادتوں' برکتوں اور رحمتوں کو سمیٹ کر رخصت ہو جاتا ہے اور بداعمال ویسے کے ویسے ہی رہ جاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے تو اپنی طبیعت کو اس قدر مسخ کر لیا ہوتا ہے کہ رمضان کی یہ نورانی ساعتیں اُن کے کردار و عمل پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں کرتیں۔ ایسے لوگ رمضان میں بھی چوریاں کرتے' ڈاکے ڈالتے' دھوکہ دیتے' لوٹ مار اور قتل و غارت کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں کہ انہیں رمضان شریف کا احترام بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ کی پناہ! کہ یہ بہت بڑی بدبختی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب اللہ کے نیک اور صالح بندے رمضان کے دوران حسنات و طاعات میں منہمک ہو جاتے ہیں' وہ دن کو روزہ رکھ کر زیادہ وقت ذکر و اذکار اور تلاوت کلام پاک میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد' تلاوتِ قرآن' دعاء و استغفار میں بسر کرتے ہیں تو ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عوام مؤمنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ عبادت کی یہ عام فضا ان تمام طبائع کو جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے' نیکیوں کی طرف مائل اور شر و خباثت سے متنفر کر دیتی ہے۔

اس ماہِ مبارک کی خاص عبادت دن کا روزہ اور رات کی تراویح ہے جو ماحول کو پُرنور اور بابرکت بنا دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سازگار ماحول میسر آ جائے تو کام کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ وہ سنہری موقع فراہم کرتا ہے کہ بندہ اس ماحول سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہوئے برائیوں کو چھوڑنے کا عزم کر لے۔ وہ برائی جس کا چھوڑنا عام حالات میں بڑا مشکل ہو' رمضان میں وہ نسبتاً آسانی سے چھوڑی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی اور عنایت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں اپنی روحانی کمزوریوں اور عملی کوتاہیوں سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر سگریٹ نوشی کرنے والے اس ماہِ مبارک کے دوران ادنیٰ سی کوشش کے ساتھ اس عادتِ بد سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو برائیاں چھوڑنے کے لیے کمر ہمت باندھ لینی چاہیے۔

غیبت گناہِ کبیرہ ہے' رمضان کا آغاز ہوتے ہی ہمیں پختہ عہد کر لینا چاہیے کہ جہاں ہم دن کا روزہ رکھیں گے وہاں سارا دن کسی کی غیبت نہیں کریں گے اور قرآن کے یہ الفاظ وردِ زبان رکھیں گے: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (الحُجرات:۱۲) ''تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے''۔ یہ مشق رمضان کے پہلے ہفتے میں پوری توجہ کے ساتھ جاری رکھیں۔ دوسرا ہفتہ شروع ہو تو جھوٹ سے مکمل پرہیز کا عہد کر لیں اور آیت قرآنی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (الزمر) ''بیشک اللہ تعالیٰ کسی جھوٹے ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا'' ہر وقت پڑھتے رہیں اور کوئی بھی خلافِ واقعہ یا جھوٹی بات نہ کہیں۔ ایک ہفتے کی یہ سنجیدہ کوشش اس سازگار ماحول کی برکت سے کامیاب ہو جائے گی اور جھوٹ چھوٹ جائے گا۔ اسی طرح تیسرے ہفتے میں حصولِ رزق کے معاملے میں محتاط ہونے کا عہد کریں اور آیت قرآنی: ﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (المائدۃ:۸۸) ''اور کھاؤ اس رزق میں سے جو اللہ نے تم کو دیا حلال اور پاکیزہ'' کا ورد کرتے رہیں۔ پھر چوتھے ہفتے میں وعدہ خلافی سے تائب ہو جائیں اور آیت قرآنی: ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل) ''اور عہد کو پورا کرو' بیشک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا'' پڑھتے رہیں۔ اگر رمضان کے دوران یہ چار گناہ چھوٹ جائیں تو یوں سمجھئے کہ ہم نے رمضان کے سازگار ماحول سے پورا فائدہ اٹھایا اور اللہ کی رحمت سے بھرپور استفادہ کیا۔ بصورتِ دیگر رمضان مبارک آ کر گزر جائے گا اور کردار میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئے گی۔ اللہ کی رحمت کی ارزانی سے کوئی فائدہ نہ اٹھانا بہت بڑی ناشکری اور بدبختی ہے۔ کردار و عمل کی اصلاح کے بغیر روزے کی مشقت بھی نری بھوک اور پیاس برداشت کرنا ہے جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (رواہ البخاری و ابو داؤد و الترمذی)

''جس شخص نے روزہ کے دوران جھوٹی بات اور باطل کام نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔

آیئے ارادہ کریں کہ رمضان کے مقدس ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی عملی کوتاہیوں کو دُور کریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وارثین کتابِ الٰہی کے تین گروہ

حافظ محبوب احمد خان

نبی اکرم ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اُمت کو اپنی کتاب یعنی قرآن مجید کا وارث ٹھہرایا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کیا۔ یہی لوگ مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر سب مسلمان عملاً ایک ہی درجے کے نہیں ہیں' اگرچہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے انہیں دوسرے انسانوں پر برتری حاصل ہے اور وارثِ کتاب ہونے کا شرف بھی۔ مسلمانوں میں کچھ اہل ایمان تو وہ ہیں جو عملی طور پر بہت پیچھے ہیں' گناہ گار اور مجرم ہیں' ان کا معاملہ بقول ساغر صدیقی ایسا ہے کہ۔

آؤ اِک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

یعنی کبھی کبھی اپنی جبین کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا بھی لیتے ہیں' جبکہ کچھ دوسرے اہل ایمان وہ ہیں جو نیکی کے کام بھی کرتے ہیں' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کسی حد تک فرماں برداری بھی اختیار کرتے ہیں' مگر اُن سے کچھ گناہ کے کام بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔ یوں اُن کی زندگی اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال کا مجموعہ ہوتی ہے۔ بقول شاعر۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا!

اور اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کی کوشش میں پیش پیش ہوتے ہیں' بھلائی کے کاموں میں مستعدی دکھاتے ہیں' دینی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار اور منتظر رہتے ہیں۔ جونہی کوئی دین کا تقاضا ان کے سامنے آتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ بقول شاعر۔

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ہوس کی

اور اگر بشری تقاضے کے تحت اُن سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو شرمسار ہو کر اللہ کے حضور استغفار و مناجات کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں گروہوں کا ذکر کلام اللہ کی سورۂ فاطر کی آیت ۳۲ میں اس طرح ہے:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ (فاطر)

''پھر ہم نے کتاب (قرآن مجید) کے وارث کیے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے، پھر کوئی اُن میں برا کرتا ہے اپنی جان کا، اور کوئی اُن میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے، یہی ہے بڑی بزرگی۔''

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کا پوری نوعِ انسانی میں سے چھانٹ کر انتخاب کیا گیا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے وارث ہیں اور محمد ﷺ کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اس کی دعوت کو لے کر اُٹھیں۔ اگرچہ یہ کتاب تو پیش کی گئی ہے سارے انسانوں کے سامنے، مگر جنہوں نے آگے بڑھ کر اسے قبول کر لیا وہی اس شرف کے لیے منتخب کر لیے گئے کہ قرآن جیسی کتابِ عظیم کے وارث اور محمد عربی ﷺ جیسے رسول کی تعلیمات و ہدایت کے امین بنیں۔ اس آیت میں مذکور تینوں طبقوں کی وضاحت میں مختلف مفسرین نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

''(۱) ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ ''اپنے نفس پر ظلم کرنے والے''۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سچے دل سے اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کو ایمان داری کے ساتھ اللہ کا رسول تو مانتے ہیں، مگر عملاً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کا حق ادا نہیں کرتے۔ مؤمن ہیں مگر گناہ گار ہیں۔ مجرم ہیں مگر باغی نہیں ہیں، ضعیف الایمان ہیں، مگر منافق اور دل و دماغ سے کافر نہیں ہیں۔ اسی لیے ان کو ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ہونے کے باوجود

وارثینِ کتاب میں داخل اور خدا کے چنے ہوئے بندوں میں شامل کیا گیا ہے' ورنہ ظاہر ہے کہ باغیوں اور منافقوں اور قلب و ذہن کے کافروں پر اِن اوصاف کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ تینوں درجات میں سے اس درجہ کے اہل ایمان کا ذکر سب سے پہلے اس لیے کیا گیا ہے کہ تعداد کے لحاظ سے اُمت میں کثرت انہی کی ہے۔

(۲) ﴿وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ ''بیچ کی راس''۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اِس وراثت کا حق کم و بیش ادا تو کرتے ہیں مگر پوری طرح نہیں کرتے۔ فرماں بردار بھی ہیں اور خطا کار بھی۔ اپنے نفس کو بے لگام تو انہوں نے نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اسے خدا کا مطیع بنانے کی اپنی حد تک کوشش کرتے ہیں' لیکن کبھی یہ اس کی باگیں ڈھیلی بھی چھوڑ دیتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ یہ تعداد میں پہلے گروہ سے کم اور تیسرے گروہ سے زیادہ ہیں' اس لیے ان کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔

(۳) ﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''نیکیوں میں سبقت کرنے والے''۔ یہ وارثین کتاب میں صفِ اوّل کے لوگ ہیں۔ یہی دراصل اس وراثت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ یہ اتباعِ کتاب وسنت میں بھی پیش پیش ہیں' خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں بھی پیش پیش' دین حق کی خاطر قربانیاں کرنے میں بھی پیش پیش' اور بھلائی کے ہر کام میں پیش پیش۔ یہ دانستہ معصیت کرنے والے نہیں ہیں' اور نادانستہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر متنبہ ہوتے ہی ان کی پیشانیاں شرم سے عرق آلود ہو جاتی ہیں۔ ان کی تعداد اُمت میں پہلے دونوں گروہوں سے کم ہے اس لیے ان کا آخر میں ذکر کیا گیا ہے اگرچہ وراثت کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں ان کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے..... پھر اسی کی تائید نبی ﷺ کی وہ حدیث کرتی ہے جسے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد' ابن جریر' ابن ابی حاتم' طبرانی' بیہقی اور بعض دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((فَاَمَّا الَّذِيْنَ سَبَقُوْا فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ' وَاَمَّا الَّذِيْنَ اقْتَصَدُوْا فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُحَاسَبُوْنَ حِسَابًا يَّسِيْرًا ' وَاَمَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَاُولٰئِكَ يُحْبَسُوْنَ طُوْلَ الْمَحْشَرِ ثُمَّ هُمُ الَّذِيْنَ تَتَلَقَّاهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ فَهُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ))

''جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے' اور جو بیچ کی راس رہے ہیں اُن سے محاسبہ ہوگا مگر ہلکا محاسبہ۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے' پھر انہی کو اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا''۔(۱)

امام المفسرین علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''اس بزرگ کتاب یعنی قرآن کریم کو ہم نے منتخب بندوں کے ہاتھوں میں دیا' یعنی اس اُمت کے' پھر ان میں تین قسم کے لوگ ہو گئے۔ بعض تو ذرا کچھ آگے پیچھے ہو گئے' وہ ظالم نفس کہلائے' ان سے کچھ حرمت والے کام بھی سرزد ہو گئے۔ بعض درمیانہ درجے کے رہے جنہوں نے محرمات سے اجتناب کیا' واجبات بجالاتے رہے' لیکن کبھی کبھی کوئی مستحب کام ان سے چھوٹ بھی گیا اور کبھی کوئی ہلکی سی نافرمانی بھی سرزد ہوگئی۔ بعض درجوں میں بہت ہی آگے نکل گئے۔ واجبات چھوڑ مستحبات کو بھی انہوں نے نہ چھوڑا اور محرمات چھوڑ مکروہات سے بھی یکسر الگ رہے' بلکہ بعض مرتبہ مباح چیزوں کو بھی ڈر کر چھوڑ دیا''۔(۲)

سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت کے پہلے حصے میں اللہ کے نزدیک اس اُمت کی عزت و بزرگی کا ذکر ہے' اور اس کے ساتھ ہی اس کی ذمہ داری کی عظمت و ضخامت کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ اس وراثت اور برگزیدگی سے ذمہ داری پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو چنا۔ اس برگزیدگی کے ساتھ بہت سے احکام ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ اُمت اس اِصطفاء کو اور اس ذمہ داری کو سنے گی اور اس کا حق ادا کرے گی؟ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو وراثت کتاب کے لیے چنا' پھر اس نے اپنے فضل سے نوازنے کا اعلان فرمایا' حتیٰ کہ گناہ گاروں کے لیے بھی فضل موجود ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ اس امت میں تین گروہ ہوں گے' ایک اپنے اوپر ظلم کرنے والا' دوسرا اوسط درجے والا اور تیسرا نیکیوں میں سبقت لے جانے والا۔ پہلا گروہ ''اپنے اوپر ظلم کرنے والا'' ہے۔ اس کا ذکر شاید پہلے اس لیے کیا گیا کہ ان کی تعداد زیادہ ہوگی اور یہ وہ فریق ہے جس کی برائی کا پلڑا جھک جائے گا' نیکیاں کم اور برائیاں زائد ہوں گی۔ دوسرا فریق مُقْتَصِد (درمیانہ

درجے کا) ہوگا کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ اور تیسرا فریق سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ (نیکیوں میں آگے بڑھنے والا) ہے' یعنی اس کی نیکیاں برائیوں سے زائد ہوں گی۔ لیکن اللہ کا فضل ان تینوں فریقوں پر مشتمل ہوگا اور تینوں (زود یا بدیر) جنت میں جائیں گے اور وہ انعام پائیں گے جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ گو اِن کے درجے (اور وقتِ دخولِ جنت) مختلف اور متفاوت ہوں گے''۔ (۳)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس اُمت کو بنایا جو بہیئت مجموعی تمام اُمتوں سے بہتر و برتر ہے۔ ہاں اُمت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمانِ صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ ''ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ'' ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں' نہ گناہوں میں منہمک' نہ بڑے بزرگ اور ولی (ان کو مُقْتَصِدٌ فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹنے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے اور گناہ کے خوف سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ ویسے چُنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا' کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گناہ گار بھی اگر مؤمن ہے تو بہرحال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں جائے گا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گناہ گار معاف ہے' یعنی آخر کار معافی ملے گی' اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑھے سو سب سے آگے بڑھے۔ اللہ کریم ہے' اُس کے یہاں بخل نہیں''۔ (٤)

شیخ غلام اللہ خانؒ تفسیر جواہر القرآن میں فرماتے ہیں:

''یہ وارثانِ کتاب اللہ (قرآن) کے لیے بشارتِ اُخروی ہے۔ اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا سے اُمتِ محمدیہؐ کے علماء مراد ہیں جو کتاب اللہ کو سمجھیں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔ پھر ان میں تین گروہ ہوئے۔ اوّل ''ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ'' جنہوں نے کتاب اللہ پر عمل کرنے اور اس کی خدمت کرنے میں بہت زیادہ کوتاہی اور سستی کی۔ دوم ''مُقْتَصِدٌ'' جن کے عمل بالکتاب اور مخالفت کے پلڑے برابر رہے۔ سوم ''سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ'' جن کے عمل بالکتاب اور اعمال صالحہ کا پلڑا بھاری ہوا۔ لیکن یہ تینوں جماعتیں جنت میں جائیں گی۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے بروایت ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ:

((هٰؤُلَآءِ كُلُّهُمْ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ وَكُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ)) (۵)

[یہ سب کے سب ایک ہی درجے کے لوگ ہیں اور سب کے سب جنتی ہیں]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((سَابِقُنَا سَابِقٌ وَمُقْتَصِدُنَا نَاجٍ وَظَالِمُنَا مَغْفُوْرٌ لَهٗ)) (۶)

[ہمارا (یعنی میرا اُمتی) آگے بڑھنے والا تو آگے بڑھنے والا ہی ہے' ہمارا مُقتَصِد (بیچ کی راس رہنے والا) کامیاب ہے (قیامت کے دن) اور ہمارا ظالم (اپنے نفس پر ظلم کرنے والا) بخشیدہ ہے]۔

وراثت قرآن کے لیے اُمت میں سے خاص بندوں کو چن لینا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل ہے''۔ (۷)

حواشی

(۱) تفہیم القرآن' سید مودودی' جلد چہارم۔

(۲) تفسیر ابن کثیر' حافظ عماد الدین ابن کثیر' جلد چہارم۔

(۳) فی ظلال القرآن' سید قطب شہید' جلد ہشتم۔

(٤) تفسیر عثمانی' سید شبیر احمد عثمانی' ص ٥٨٤۔

(٥) اخرجه احمد والطيالسي وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن ابي حاتم وابن مردويه والبيهقي والترمذي وحسنه (روح المعاني' ج٢٢' ص ١٩٧)

(٦) قرطبی' ج١٤' ص ٢٤٦۔

(٧) جواهر القرآن' از افادات محمد حسین الوانی' جلد٣۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے مکمل دورۂ ترجمہ قرآن اور دروس وخطابات کے علاوہ تلاوتِ قرآن' کتب احادیث کے تراجم' میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے' اردو و انگریزی کتب' کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے!

حضرت ابوشحمہؒ بن عمرؓ کا واقعہ
حقیقت اور افسانہ

از قلم: مولانا محمد امین الاثری

امیر المؤمنین فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حق پرستی، انصاف پروری، اجراءِ حدودِ الٰہی میں عزیز و بیگانہ کے ساتھ اُن کے یکساں برتاؤ کی روشن اور درخشاں حیثیت کو آپؓ کے فرزند حضرت ابوشحمہ کے متعلق ایک بے بنیاد و بے اصل اور خود ساختہ واقعہ کے ذریعے منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بے نظیر انصاف پروری اور عدل گستری، آپؓ کے دورِ خلافت کے طریق کار یہ سب کارنامے ایسے صحیح اور معتبر تاریخی روایات سے ثابت اور مشہور ہیں کہ ان کے بعد اس قسم کے گھڑے ہوئے قصوں کے ذریعے اُن کی انصاف پروری اور دینی صلاحیت کو اجاگر کرنے کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔ حضرت ابوشحمہ کے متعلق یہ واقعہ قصہ و داستان گو واعظین، غیر محتاط صوفیاء اور غیر محقق واقعہ نگاروں کی رنگ آمیزیوں کا رہینِ منت ہے۔ اصل حقیقت کچھ اور ہے جو اُن کی رنگ آمیزیوں میں گم ہو کر رہ گئی اور حضرت ابوشحمہ کا پاک دامن ناکردہ غلط کاری کے مکروہ و معیوب دھبوں سے داغ دار ہو گیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ بعض مصنفین نے ایک ایسے واقعہ کو جس کا تعلق برگزیدہ مقدس ہستیوں سے ہے، تاریخ اور اُصولِ روایت کے مطابق چھان بین کیے بغیر شائع کر دیا۔

اس واقعہ کے متعلق ماہرینِ فن اور معتبر و مستند مؤرخین کی تصریحات درج کی جاتی ہیں، تاکہ ناظرین کو اصل واقعہ معلوم ہو سکے اور یہ حقیقت ان کے ذہن نشین ہو جائے کہ ابوشحمہ کا دامن معصیت کے داغ سے پاک و صاف ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی مشہور کتاب: ''اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة'' میں اس قصہ کو مختصر اور مطوّل دو طرح سے ذکر کیا ہے۔ مختصر واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ پچاس کوڑے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے ہاتھ سے مارے اور

پچاس کوڑے حضرت علی ؓ کے ہاتھ سے لگوائے۔ علامہ سیوطیؒ نے اس واقعہ کے متعلق اپنا تحقیقی فیصلہ اور تبصرہ یوں تحریر فرمایا ہے:

موضوع وضعه القصاص وفی الاسناد من هو مجهول

''یہ واقعہ سرتاپا بے اصل و بے بنیاد اور گھڑا ہوا ہے' جسے داستان گو واعظین نے بنایا اور گھڑ لیا ہے۔ اور سلسلۂ سند میں نامعلوم اشخاص موجود ہیں!''

اور مطوّل قصے کے بعد لکھتے ہیں:

موضوع فيه مجاهيل قال الدارقطنی حديث مجاهد عن ابن عباس فی حديث ابی شحمة ليس بصحيح وروی من طريق عبد القدوس بن الحجاج عن صفوان عن عمر و عبد القدوس كذاب يضع وصفوان بينه وبين عمر رجال

''یہ گھڑی ہوئی اور بالکل بے سند بات ہے۔ سلسلۂ سند میں کئی نامعلوم افراد ہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ مجاہد کی وہ حدیث جو ابن عباس سے ابوشحمہ کے بارے میں روایت کی جاتی ہے' صحیح نہیں ہے۔ عبدالقدوس بن حجاج سے بھی یہ قصہ مروی ہے جو انہوں نے صفوان عن عمر کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ لیکن یہ عبدالقدوس جھوٹا اور کذاب ہے۔ حدیثیں خود اپنی طرف سے بنا بنا کر بیان کرتا تھا' اور اس کے اوپر راوی صفوان اور عمر کے درمیان سلسلہ منقطع ہے''۔

علامہ محمد طاہر ''تذکرۃ الموضوعات'' (ص ۱۸۰) میں لکھتے ہیں:

حديث ابی شحمة ولد عمر رضی الله عنه وزناه واقامة عمر عليه الحدود وموته بطوله لا يصح بل وضعه القصاص..... انتهی (وهكذا فی الفوائد المجموعة' ص ٦٩' للعلامة الشوكانی والمجمع البحار الانوار' ص ٥١٧' جلد سوم)

''ابوشحمہ بن عمرؓ کا واقعۂ زنا' ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حدّ جاری کرنا اور اس کی وجہ سے اُن کی موت' یہ پورا قصہ غلط ہے اور گھڑا ہوا ہے!''

اصل واقعہ

علامہ ابن سعد اور علامہ ابن الجوزی وغیرہم کی تصریحات کے مطابق واقعہ اس قدر ہے کہ حضرت ابوشحمہ ؓ مصر میں جہاد کی غرض سے تشریف فرما تھے۔ عرب میں نبیذ استعمال

کرنے کا عام دستور تھا۔ وہ اس طرح کہ کھجور یا کشمش شام کو پانی میں بھگو دیتے۔ صبح تک پانی میٹھا ہو کر شربت بن جاتا۔ صبح کے ناشتے یا کھانے کے بعد اُس شربت کو استعمال کرتے۔ اسی طرح صبح کو بھگو دیتے اور شام کو کھانے کے ساتھ یہ شربت پیتے۔ اس شربت کو جس میں نہ کوئی خاص بو پیدا ہوتی اور نہ ذرہ بھر نشہ' نبیذ کہا جاتا ہے' جس کا استعمال باتفاقِ علماء جائز اور مباح ہے۔ خود آنحضرت ﷺ بھی اسے استعمال فرماتے تھے۔ (ابوداؤد' ص ۱۶۶' ج ۲' بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا)۔ البتہ نشہ کا شبہ اور گمان ہو جانے کے بعد' جس کی خاص ظاہری علامتیں ہیں' نبیذ کا پینا حرام اور ممنوع ہے۔

حضرت ابوشحمہؒ جو نہایت متورّع اور متدین شخص تھے' سنتِ نبویؐ کے مطابق نبیذ استعمال فرماتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس اطمینان کے بعد کہ نبیذ میں سکر (نشہ) کا اثر نہیں آیا ہے' انہوں نے نبیذ استعمال کی۔ کچھ دیر کے بعد انہیں نشہ کا معمولی اثر محسوس ہوا۔ شرعاً انہوں نے کوئی تقصیر نہیں کی تھی' اس لیے ملامت یا تعزیرِ حد کے مستوجب قطعاً نہ تھے' نہ دیانتاً نہ قضاءً' لیکن غلبۂ خوفِ الٰہی اور غایتِ ورع و خشیتِ الٰہی کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو قصوروار سمجھا' محض اس لیے کہ اس معاملے میں جس غایت درجہ احتیاط و اطمینان کی ضرورت تھی اُس سے انہوں نے کام نہ لیا تھا۔ بہرکیف وہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (فاتح مصر و گورنر) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ مجھ پر حدِ شرعی جاری کی جائے۔ گورنر نے انہیں شرعی حکم سمجھاتے ہوئے حدّ جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن ان کا دل مطمئن نہیں ہوا اور عرض کی کہ حدّ جاری کیجیے ورنہ دربارِ خلافت میں رپورٹ کر دوں گا کہ عمرو بن العاص حدودِ الٰہی کے جاری کرنے میں کمزور اور سست ہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جلال اور تصلب فی الدین کا نقشہ اُن کے سامنے آ گیا۔ انہوں نے ابوشحمہ پر اُن کے اطمینانِ قلب کے لیے حدّ جاری کر دی' لیکن قصرِ حکومت میں' جہاں عام مجمع نہ تھا۔ واقعہ نگاروں نے اس واقعہ کی اطلاع دربارِ خلافت میں کر دی۔ امیر المؤمنین نے گورنر مصر کو ملامت آمیز خط لکھا کہ میرے بیٹے ابوشحمہ کے ساتھ اجراءِ حدودِ الٰہی میں عام مسلمانوں جیسا برتاؤ کیوں نہیں کیا گیا؟ یعنی عبرت کے لیے عام مجمع میں کیوں نہ حد جاری کی گئی؟ پھر جب ابوشحمہؒ مدینہ پہنچے تو خلیفۂ وقت نے عام مجمع میں ابوشحمہ کو بے احتیاطی کرنے پر جسمانی سزا دی جیسے باپ بیٹے کو کسی قصور پر سزا دیا کرتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ابوشحمہ اتفاقی طور پر بیمار پڑے اور اسی بیماری میں انتقال فرمایا' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہے اصل واقعہ جس کو داستان گو واعظین نے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے! علامہ ابن عبدالبرؒ یہ واقعہ اس طرح لکھتے ہیں:

عبدالرحمن بن عمر الاوسط هو ابوشحمة وهو الذی ضربه عمرو بن العاص بمصر فی الخمر ثم حمله الی المدینة فضربه ابوه الوالد ثم مرض ومات بعد شهر هکذا یرویه معمر عن الزهری عن سالم عن ابیه۔ واما اهل العراق فیقولون انه مات تحت سباط عمر وذلك غلط وقال الزبیر اقام علیه عمر حد الشرب فمرض ومات (الاستیعاب' ص ۳۹٤'ج۲)

علامہ طاہر اس واقعہ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

ماروی ان عبدالرحمن الاوسط من اولاد عمر و یکنی اباشحمة غازیا بمصر فشرب نبیذا فجاء الی ابن العاص وقال اقم علیّ الحدود فامتنع فقال اخبر ابی اذا قدمت فضربه الحد فی داره فلامه عمر قائلا الا فعلت به ما تفعل بالمسلمین فلما قدم علی عمر ضربه واتفق ان مرض فمات (مجمع بحار الانوار' ص ۵۱۸'ج۳)

ٹھیک یہی واقعہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ "اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة" میں اسی طرح لکھتے ہیں:

"زبیر بن بکار اور ابن سعد نے "طبقات" میں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بھی قول ہے کہ عبدالرحمٰن الاوسط جن کی کنیت ابوشحمہ تھی' مصر میں مجاہد اور غازی کی حیثیت سے تھے' ایک رات کو نبیذ پی لی جس سے کچھ نشہ محسوس کیا۔ اُس وقت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت حاضر ہو کر کہا کہ مجھ پر حدّ لگائیے۔ (چونکہ شرعی نقطۂ نظر سے حدّ کے سزاوار نہ تھے' اس لیے) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اقامتِ حدّ سے انکار کیا۔ لیکن ابوشحمہ اپنے اوپر حد لگوانے کے لیے اڑے رہے اور کہا کہ اگر آپ اس سے گریز فرمائیں گے تو میں اپنے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کے وہاں پہنچنے پر اس کی شکایت کر دوں گا۔ الغرض عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابوشحمہ کے اصرار پر قصرِ حکومت کے اندر اُن پر حدّ قائم کی' جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ملامت آمیز لہجہ میں تحریر فرمایا کہ جس طرح عام مسلموں پر حدّیں جاری کی جاتی ہیں اسی طرح ابوشحمہ پر بھی حد کیوں نہ قائم کی گئی؟ پھر جب حضرت ابوشحمہ واپس (مدینہ) آئے تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (تأدیبی طور پر) جسمانی سزا دی۔ اس کے بعد اتفاقی طور پر حضرت عبدالرحمٰن بیمار ہوئے اور یہی علالت اُن کی وفات کا باعث بنی!" (وهکذا فی فوائد المجموعة' ص ٦٩۔ و تذکرة الموضوعات' ص ۱۸۰۔ و اسد الغابة' ص۲۱۳' ج۳)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین

چہرے کا پردہ

واجب، مستحب یا بدعت؟(۸)

تحریر: حافظ محمد زبیر

(گزشتہ سے پیوستہ)

چہرے کے پردے کے بارے میں ہمارا مضمون ''چہرے کا پردہ: واجب، مستحب یا بدعت'' کے عنوان سے ماہنامہ ''حکمت قرآن'' کے شمارہ بابت جون ۲۰۰۶ء میں مکمل ہو چکا ہے۔ چہرے کے پردے کے حوالے سے قرآن میں وارد شدہ صریح اور قطعی نصوص کے بارے میں منکرین حجاب جو شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، ان صفحات میں ہم اُن کا ایک علمی اور تحقیقی جائزہ لیں گے۔ ماہنامہ ''اشراق'' کے مدیر جاوید احمد غامدی صاحب کی ''قانونِ معاشرت'' کے نام سے ایک سی ڈی ہاتھ لگی جو کہ چہرے کے پردے کے حوالے سے غامدی صاحب کے پانچ عدد لیکچرز پر مشتمل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان لیکچرز میں حقائق کے برخلاف سطحی اور غیر معیاری قسم کے مواد کو علم وتحقیق کے نام سے جس وثوق سے پیش کیا گیا ہے، یہ انداز دبستان شبلی کے کسی نمائندہ کو زیب نہیں دیتا۔ غامدی صاحب کے یہ لیکچرز سن کر ہمیں ان کی وہ ''تحریر'' یاد آ رہی تھی جو انہوں نے آج سے تقریباً ستائیس سال پہلے پروفیسر طاہر القادری صاحب کی ''سورۃ الضحیٰ'' پر ایک تقریر پر نقد کرتے ہوئے ماہنامہ اشراق میں شائع کی تھی۔ تقاریر پر نقد و جرح اگر ہمارے نزدیک روا ہوتی تو ہم غامدی صاحب کے ان لیکچرز میں موجود خلاف واقعہ باتوں پر ایک پوری کتاب لکھ دیتے۔ لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تقاریر و بیانات میں انسان تحریر کی نسبت زیادہ غیر محتاط ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ سامعین طبقۂ جہلاء سے تعلق رکھتے ہوں۔ غامدی صاحب اپنی تحریر میں محتاط ہیں اور علمی انداز میں گفتگو کرتے ہیں تو کم از کم حوالے تو نقل کر ہی دیتے ہیں جو کہ ایک اچھی روش ہے، اگرچہ خود اُن کو

بھی بات پوری طرح سمجھ نہ آ رہی ہو۔ ہم اپنی اس تحریر کے ذریعے انہیں صرف اتنی توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ تحریر کی طرح ان کے بیانات میں بھی ربع صدی کے مطالعے کی کچھ نہ کچھ جھلک تو نظر آنی چاہیے۔ بغیر کسی ریفرنس کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف دعوے کرنا قرآن کے کسی طالب علم کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ذیل میں ہم غامدی صاحب کے لیکچرز کا تفصیلی، تحقیقی و تجزیاتی جائزہ لینے کی بجائے اس نتیجے پر بحث کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے پانچ گھنٹے کا قیمتی وقت ضائع کرنے کے بعد نکالا۔

پہلا شبہ :

غامدی صاحب نے اپنے پانچ گھنٹے کے لیکچرز کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ اُمت مسلمہ میں چہرے کے پردے کے بارے میں تین قسم کے نقطہ ہائے نظر رائج رہے ہیں۔ ایک یہ کہ محرم رشتہ داروں کے علاوہ باقی ہر ایک سے عورت پردہ کرے گی اور اس کے لیے اجنبی افراد سے چہرے کا پردہ واجب ہے۔ یہ موقف اُمت مسلمہ میں مولانا مودودی نے پیش کیا۔ دوسرا موقف سلف صالحین کا ہے' وہ یہ کہتے ہیں کہ چہرے کا پردہ بہتر ہے لازم نہیں ہے' تمام سلف صالحین بشمول ابن تیمیہ اور احناف کے سب کا موقف یہی ہے' اگر پچھلوں میں چہرے کے پردے کے وجوب کا کوئی قائل ہے بھی تو وہ کچھ غیر معروف لوگ ہیں۔ تیسرا موقف میرا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ چہرے کا پردہ بہتر بھی نہیں ہے۔

جواب شبہ :

جہلاء کے مجمع میں تو علم و فضل کے ایسے موتی بکھیرے جا سکتے ہیں' لیکن استدلال و تحقیق کی دنیا میں غامدی صاحب کے اس بیان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ غامدی صاحب نے مولانا مودودی کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عام مسلمان عورتوں کے لیے اجنبیوں سے چہرے کے پردے کو واجب قرار دیا ہے۔ اگر غامدی صاحب ایک نظر اس سلسلة الذهب (غامدی عن اصلاحی عن فراهی عن شبلی عن سرسید) کی طرف بھی کر لیتے' جس سے' بقول ان کے' انہوں نے اپنا یہ دین حاصل کیا ہے' تو ان پر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی کہ دبستانِ شبلی کا ہر ایک امام عام مسلمان عورتوں کے لیے چہرے کے پردے کو اسی طرح واجب قرار دے رہا ہے جس طرح مولانا مودودی' بلکہ مولانا مودودی سے بھی قدرے بڑھ کر غامدی صاحب کے امام مولانا امین احسن اصلاحی صاحب۔ آیت جلباب کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہی جلباب ہے جو ہمارے دیہاتوں کی شریف بڑی بوڑھیوں میں اب بھی رائج ہے اور اسی نے فیشن کی ترقی سے اب برقعے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس برقع کو اس زمانے کے دلدادگانِ تہذیب اگر تہذیب کے خلاف قرار دیں تو دیں لیکن قرآن مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے جس کا انکار صرف وہی بر خود غلط لوگ کر سکتے ہیں جو خدا اور رسول سے زیادہ مہذب ہونے کے مدعی ہوں۔''

اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے استاذ امام حمید الدین فراہی حجاب کے مسئلے پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حجاب کے مسئلہ میں تفاسیر اور فقہ میں پوری توضیح موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے۔ میری رائے میں نظمِ قرآن پر توجہ نہ کرنے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ ایسی قدیم غلطیوں کا کیا علاج کیا جائے۔ کون سنتا ہے کہانی میری' اور پھر وہ بھی زبانی میری۔ فقہاء اور مفسرین کا گروہ ہم زبان ہے مگر صحابہؓ اور تابعین زیادہ واقف تھے۔ انہوں نے ٹھیک سمجھا ہے مگر متأخرین حضرات نے ان کا کلام بھی نہیں سمجھا۔ بہر حال الحق أحق أنْ يُتّبع ۔ میں اس مسئلے پر مطمئن ہوں اور میرے نزدیک اجنبی سے پورا پردہ کرنا واجب ہے اور قرآن نے یہی حجاب واجب کیا ہے جو شرفاء میں مروج ہے' بلکہ اس سے قدرے زائد۔ ذرا مجھے طاقت آئے تو مفصل مضمون آپ کی خدمت میں بھیجوں''۔ (۱)

اسی طرح مولانا حمید الدین فراہی صاحب کے رہنما اور استاد جناب مولانا شبلی نعمانی چہرے کے پردے کے وجوب پر مولوی امیر علی کے خلاف اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''پردے کے متعلق تمام دنیا میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا ہے وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہیں نکلتی تھیں اور نامحرموں سے ہمیشہ منہ چھپاتی تھیں' یہاں تک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے مقدم مسئلہ بن گیا تھا''۔ (۲)

اسی قسم کے خیالات کا اظہار مولانا شبلی کے راہنما اور دیرینہ ساتھی جناب سر سید احمد خان صاحب کے بارے میں منقول مختلف واقعات میں ان کے حوالے سے ہوا ہے۔ دبستان شبلی کا ہر ہر امام اس بات پر زور دے رہا ہے کہ عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا لازم ہے' جبکہ غامدی صاحب کا اصرار یہ ہے کہ میرے یہ تمام ائمہ غلط تھے اور میری رائے درست ہے اور وہ یہ کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ تو کجا سر ڈھانپنا بھی لازم نہیں ہے۔ المورد کی ویب سائٹ پر اربابِ اشراق کے فتاویٰ جات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جبکہ المورد

کا کوئی سر پھرا سکالر یہ دعویٰ کر لے کہ حجاب کے مسئلے میں استاذ امام جاوید احمد صاحب کو غلطی لگی ہے' قرآن (سورۃ النور) میں تو صرف سینے اور شرم گاہوں کے ڈھانپنے کا تذکرہ ہے' اس کے علاوہ جسم کا چھپانا عورت کے لیے لازم نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک!

جہاں تک غامدی صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ سلف صالحین کا موقف یہ تھا کہ چہرے کا پردہ بہتر ہے لازم نہیں ہے' اور مولانا مودودی نے سب سے پہلے اس کو لازم قرار دیا ہے' قطعاً غلط بلکہ سلف صالحین کی آراء سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ سلف صالحین میں سے صحابہ و تابعین سب چہرے کے پردے کے لزوم کے قائل تھے' جیسا کہ مولانا حمید الدین فراہی نے لکھا ہے' جبکہ فقہاء میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء فتنے کے سبب سے چہرے کے پردے کو واجب قرار دیتے ہیں' جبکہ بعض دوسرے فقہاء عورت کے چہرے کو اس کے ستر میں شمار کرتے ہیں اور نص سے چہرے کے پردے کا اثبات کرتے ہیں۔ مؤخر الذکر طبقہ میں امام احمد' ایک رائے کے مطابق امام مالک' امام غزالی' امام قرطبی' امام ابن العربی' علامہ ابن تیمیہ' علامہ ابن القیم' ابن کثیر' امام امیر صنعانی' ابن حجر عسقلانی' امام بیضاوی' علامہ ابن الجوزی وغیرہم جیسے جلیل القدر ائمہ نے صریحاً عورت کے لیے چہرے کے پردے کو نصاً واجب قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی آراء کو ہم اپنے مستقل مضمون میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ کیا یہ تمام جلیل القدر ائمہ غامدی صاحب کے نزدیک غیر معروف علماء ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر اُن کے نزدیک معروف علماء کون ہیں؟ ان کے اپنے ائمہ ثلاثہ' جن کا موقف ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں؟

غامدی صاحب نے بیان کیا ہے کہ ایک موقف خود اُن کا ہے اور وہ یہ کہ چہرے کا پردہ لازم تو کیا بہتر بھی نہیں ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ غامدی صاحب کا یہ موقف ایسا ہے کہ جس کو پیش کرنے کا شرف اُمتِ مسلمہ کی چودہ صدیوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ غامدی صاحب کو حاصل ہوا ہے۔ غامدی صاحب کے اس موقف کی بنیاد وہ کہانی ہے جس پر انہوں نے اپنے لیکچرز کے دوران اپنا پورا ایک گھنٹہ ضائع کیا ہے۔ عصر حاضر کے تقریباً سب منکرینِ حجاب اس کہانی کو کچھ اختلاف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر القرون میں ایک مسلمان عورت آج کی نسبت زیادہ غیر محفوظ تھی' وہاں تو عورتوں کی عزتیں محفوظ نہ تھیں' اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں مدینہ میں فساق کی کثرت تھی جو عورتوں کو چھیڑنے کے لیے راستوں پر بیٹھے ہوتے۔ گویا منکرین حجاب کے کہنے کے مطابق آج کل کے معاشرے خیر القرون کے

معاشروں کی نسبت زیادہ مہذب اور پاکیزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آج عورت کی عزت کو اتنا خطرہ نہیں ہے یا آج اس کو اتنا نہیں ستایا جاتا جتنا کہ خیر القرون میں ستایا جاتا تھا' اس لیے خیر القرون کے ''فاسق معاشروں'' کے لیے (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ' نقل کفر کفر نہ باشد) تو حجاب کے حکم کی ضرورت تھی' آج کل کے ''پاکیزہ معاشروں'' میں حجاب کے حکم کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اِنَّا للہ و اِنَّا الیہ راجعون! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ابتدائی مدنی دَور میں دو چار واقعات ایسے ضرور ہوئے ہیں' لیکن منکرینِ حجاب ان واقعات کا حوالہ دے کر ایک ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ جس سے ایک عام آدمی کو یہی تأثر ملتا ہے کہ آج کل کا ماحول اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے کی نسبت زیادہ پاکیزہ اور بہتر ماحول ہے' لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں تو عورتوں کو حجاب کی ضرورت تھی' آج نہیں ہے۔ غامدی صاحب نے بھی سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں حکمِ حجاب کو اڑانے کے لیے یہی کہانی تراشی ہے۔

ہم غامدی صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد جب کہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلام کا غلبہ ہو چکا تھا' کیا اسلام کے اس غلبے کے بعد کسی آزاد مسلمان عورت کو کسی فاسق کی طرف سے ستانے یا تکلیف پہنچانے کا کوئی سوال پیدا ہوتا تھا؟ گویا جس کہانی کو آپ حکم حجاب کی بنیاد بنا رہے ہیں وہ کہانی تو فتح مکہ کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد صحابیات نے اپنے جلباب اتارے نہیں بلکہ جلباب اوڑھنے کے حکم پر اسی پابندی کے ساتھ عمل کرتی رہیں جس پابندی سے وہ فتح مکہ سے پہلے کرتی رہی تھیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ تابعیات کا بھی تھا۔ وہ عام حالات تو کجا' خاص حالات میں بھی (کہ جن میں ایک مسلمان عورت کے لیے اپنے چہرے کو کھلا رکھنا جائز ہے' مثلاً حالتِ احرام) اپنے چہرے کو ڈھانپتی تھیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

> **کنّا نغطی وجوھنا من الرجال وکنا نمتشط قبل ذلك فی الاحرام**(۳)
>
> ''ہم اس سے پہلے حالتِ احرام میں اپنے چہروں کو مَردوں سے ڈھانپتی تھیں اور کنگھی بھی کر لیا کرتی تھیں''۔

اسی طرح فاطمہ بنت منذر (ایک تابعیہ) کا قول ہے کہ انہوں نے کہا:

> **کنا نخمر وجوھنا ونحن محرمات ونحن مع اسماء بنت ابی بکر الصدیق**(۴)
>
> ''ہم حالت احرام میں اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتی تھیں اور ہم حضرت اسماء بنت

ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتی تھیں۔''

غامدی صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صحابیات اور تابعیات کو تو' جن کو یہ حکم دیا گیا' یہ بات سمجھ نہ آئی کہ یہ ایک وقتی اور تدبیری حکم ہے' جبکہ چودہ سو سال بعد غامدی صاحب پر یہ نکتہ منکشف ہوا ہے کہ یہ حکم عارضی تھا۔ متقدمین احناف کے بارے میں غامدی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ وہ چہرے کے پردے کے عدم وجوب کے قائل تھے۔ فقہائے احناف کا موقف ہم تفصیلاً اپنے مضمون میں بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا شبہ :

غامدی صاحب نے کہا ہے کہ آیت مبارکہ ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ﴾ میں (چہرے کے پردے کا) جو حکم دیا گیا ہے وہ ایک وقتی تدبیر اور عارضی حکم ہے' جیسا کہ قرآن کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے۔

جواب شبہ :

ہمارا خیال یہ ہے کہ غامدی صاحب کے امام مولانا امین احسن اصلاحی ان سے زیادہ قرآن کے سیاق و سباق سے واقف ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں' جس میں غامدی صاحب کے اس شبہے کا رد ہے' کہ:

> ''﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ﴾ اس ٹکڑے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اوّل تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں' لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کالعدم ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا تھا کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں' البتہ حیا اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔''(۵)

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کہ جنہوں نے بقول غامدی صاحب کے اُن کو قرآن کے سیاق و سباق اور نظم قرآن کی تعلیم دی' وہ ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ﴾ کو بنیاد بنا کر یہ کہہ رہے ہیں کہ اس کو عارضی اور تدبیری حکم سمجھنا غلط ہے۔ اور اس کے لیے دلیل کے

طور پر انہوں نے ایک اصول بیان کیا جس اصول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غامدی صاحب نے اپنے استاد امام کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ان سے بھی اس مسئلے میں غلطی ہوئی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے یہ اُصول بیان کیا کہ ''احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں وہ محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں' لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کالعدم ہو جائیں گے''۔ یہاں استاذ امام اپنے تلمیذ رشید جاوید احمد غامدی صاحب کو جو اصول سمجھانا چاہتے ہیں اسے اصولیین ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب'' کہ قرآن وسنت کی تشریح وتفسیر کرتے وقت اصل اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کا۔

تیسرا شبہ :

پروفیسر خورشید عالم صاحب نے ہمارے مضمون کے جواب میں آیۂ جلباب کی تفسیر میں مروی ابن سیرین کے قول کے بارے میں لکھا ہے کہ اس اثر پر عصر حاضر کے سب سے بڑے محدث نے بحث کی ہے اور جلباب المرأة المسلمة میں اس کی قلعی کھول دی ہے۔

جواب شبہ :

جس کثرت سے پروفیسر صاحب علامہ البانی کی تقلید میں بغیر کسی تحقیق کے ان کے حوالے نقل کرتے چلے گئے ہیں اس کے بارے میں ہمارا پروفیسر صاحب کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ اگر وہ اس موضوع پر واقعتاً کوئی تحقیقی اور علمی نوعیت کا کام کرنا چاہتے ہیں تو علامہ البانی کی کتاب ''الرد المفحم'' کا ترجمہ ہی کر دیں۔ پروفیسر صاحب کو چاہیے کہ ہر مسئلے میں علامہ البانی کی تحقیق پر اعتماد کی بجائے خود بھی کچھ محنت کر لیا کریں۔ علامہ البانی نے ابوعبیدہ السلمانی کے اثر کے بارے میں جو بحث کی ہے' ہمارے نزدیک علامہ البانی کی وہ بحث اور اس کے نتائج صحیح نہیں ہیں۔ علامہ البانی نے اس اثر پر درج ذیل اعتراضات وارد کیے ہیں:

۱) علامہ البانی کا پہلا اعتراض

علامہ البانی اس روایت کے بارے میں الرد المفحم میں لکھتے ہیں:

وبیان ضعفه من وجوه ' انه مقطوع موقوف فلا حجة فیه لان عبیدة السلمانی تابعی اتفاقا(٦)

''اس روایت کے ضعف کی مختلف وجوہات ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ روایت

مقطوع موقوف ہے اس لیے حجت نہیں ہے' کیونکہ عبیدہ السلمانی کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ تابعی تھے۔''

جواب اعتراض:

عبیدہ السلمانی کے حوالے سے جن مفسرین یا علماء نے اس اثر کو نقل کیا ہے وہ اسے مقطوع ہی کہتے ہیں۔ مقطوع روایت وہ ہوتی ہے کہ جس میں کسی قول یا فعل کی نسبت کسی تابعی یا اس سے نچلے طبقے کے کسی راوی کی طرف ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبیدہ السلمانی تابعی ہیں اور اس اثر کی سند عبیدہ السلمانی تک صحیح ہے۔ اس لیے ہم نے اس روایت کو آثارِ صحابہ و تابعین کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔ اس روایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک جلیل القدر تابعی نے قرآن کی اس آیت کا مفہوم کیا سمجھا ہے' یا ان سے فیض پانے والے تابعین اور تبع تابعین نے اس آیت مبارکہ کا کیا معنی بیان کیا ہے۔ لہٰذا علامہ البانی کا اعتراض اس وقت بجا ہے جبکہ اس روایت کو مرفوع بیان کیا جائے۔ جبکہ مفسرین نے اسے مقطوع ہی بیان کیا ہے تو پھر علامہ البانی کا اعتراض بے جا ہے' لہٰذا یہ روایت مقطوع صحیح ہے۔

۲) علامہ البانی کا دوسرا اعتراض

علامہ البانی اس اثر کے بارے میں دوسرا اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس روایت میں اضطراب ہے:

انهم اضطربوا فی ضبط العین المکشوفة فیه فقیل "الیسری" کما رأیت وقیل "الیمنی" وهو روایة الطبری وقیل "احدی عینیه" وهی روایة اخری له ومثلها فی "احکام القرآن" للجصاص وغیرهما ذکره ابن تیمیه فی الفتاوی..... لا یظهر الا عیونهن لاجل رؤیة الطریق(۷)

''اس روایت کو بیان کرنے والوں کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کون سی آنکھ کھلی رہے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ عورت اپنی بائیں آنکھ کھلی رکھے گی' دوسرا قول یہ ہے کہ دائیں آنکھ۔ اور یہ طبری کی روایت ہے اور طبری کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنی دونوں آنکھوں میں سے ایک آنکھ کھلی رکھے گی۔ یہ روایت جصاص نے احکام القرآن میں بھی بیان کی ہے۔ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں جو روایت بیان کی ہے اس میں ہے کہ وہ اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھے گی تاکہ راستے کو دیکھ سکے۔''

جواب اعتراض:

حدیث مضطرب کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں:

انه لا یسمی الحدیث مضطرباً اِلا اذا تحقق فیه شرطان وهما :

۱) اختلاف روایات الحدیث بحیث لا یمکن الجمع بینها

۲) تساوی الروایات فی القوة بحیث لا یمکن ترجیح روایة علی اخری اما اذا ترجحت احدی الروایات علی الاخری او امکن الجمع بینها بشکل مقبول فان صفة الاضطراب تزول عن الحدیث(۸)

''کسی بھی حدیث کو اس وقت تک مضطرب نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں۔ ایک تو یہ ہے کہ باہم متعارض روایات کا اختلاف ایسا ہو کہ ان کے درمیان کسی صورت میں بھی جمع ممکن نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایات قوت میں اس طرح مساوی ہوں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔ لیکن جب معاملہ ایسا ہو کہ ان باہم متعارض روایات میں ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن ہو یا ان کے درمیان جمع کی کوئی مقبول صورت نکل سکتی ہو تو اس حدیث سے اضطراب کی علت ختم ہو جاتی ہے۔''

ہم یہ کہتے ہیں کہ اس اثر کو بیان کرنے میں مختلف راویوں نے جو اختلاف کیا ہے اس میں جمع بھی ممکن ہے اور ترجیح بھی۔ جمع کی صورت تو یہ ہے کہ اس اثر کو بیان کرنے میں راویوں کا جو اختلاف ہے اس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نفس مسئلہ ممکن حد تک چہرے کو چھپانا ہے۔ اب چہرے کو چھپانے سے ایک مسئلہ پیدا ہوا کہ عورت راستہ کیسے دیکھے گی۔ تو اس کے لیے بعض راویوں نے دائیں آنکھ' بعض نے بائیں اور بعض نے دونوں کا تذکرہ کر دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف اوقات میں ابن سیرین سے مختلف اقوال منقول ہوں۔ کیونکہ ان اقوال میں جو تعارض ہے وہ تضاد کا تعارض نہیں ہے۔ نفس مسئلہ میں سب راوی متفق ہیں کہ چہرے کو چھپانا چاہیے' اختلاف اس میں ہے کہ عورت راستہ دیکھنے کے لیے دائیں آنکھ کھولے گی یا بائیں یا دونوں۔ ہماری نظر میں ان تینوں صورتوں کی گنجائش موجود ہے' اور تینوں اقوال میں سے کسی قول کو بھی اختیار کرنے پر نفس مسئلہ پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ترجیح کی صورت یہ ہے کہ ہم نے جو روایت بیان کی وہ روایت مسلسل ہے اور کسی روایت کا مسلسل ہونا راویوں کے ضبط کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے اور راویوں کے ضبط کی زیادتی وجوہات ترجیح میں سے ایک وجۂ ترجیح ہے جس کی بنیاد پر کسی روایت کو دوسری روایات پر ترجیح دی جا سکتی

ہے۔

ڈاکٹر محمود الطحان روایت مسلسل کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من فوائده اشتماله على زيادة الضبط من الرواة(۹)

''اس کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ راویوں کے ضبط کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔''

لہٰذا ثابت ہوا کہ ابوعبیدہ السلمانی سے مروی مختلف روایات میں جمع بھی ممکن ہے اور ترجیح بھی۔ جب جمع اور ترجیح ممکن ہو تو اضطراب ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے علامہ البانی کا اعتراض صحیح نہیں۔

۳) علامہ البانی کا تیسرا اعتراض

علامہ البانی ابن سیرین کی اس روایت پر تیسرا اعتراض وارد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مخالفة لتفسير ابن عباس للآية كما تقدم بيانه فما خالفه مطرح بلاشك(۱۰)

''یہ قول ابن عباس کی تفسیر کے مخالف ہے' جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور جو قول بھی ابن عباس کے قول کے مخالف ہو گا وہ مردود ہے (ابن عباس کے قول سے علامہ البانی کی مراد یہ قول ہے: **ان يشددن جلابيبهن على جباههن**)۔''

جواب اعتراض:

علامہ البانی کا یہ اعتراض بھی بوجوہ درست نہیں ہے:

(ا) ابن عباس کا یہ قول صحیح سند سے ثابت نہیں ہے اور علامہ البانی نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ علامہ البانی ابن جریر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وقال آخرون بل أمرن ان يشددن جلابيبهن على جباههن" وهذا وان كان اسناده ضعيفا فانه ارجح من الاول لامور(۱۱)

''بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی چادریں اپنی پیشانی پر اچھی طرح باندھ لیں۔ اگرچہ اس روایت کی سند ضعیف ہے لیکن یہ ابن عباس کے دوسرے قول سے چند امور کی وجہ سے راجح ہے''۔

(ب) خود ابن عباسؓ سے ''آیۂ جلباب'' کی تفسیر میں جو اقوال مروی ہیں ان میں اختلاف ہے' اس لیے ابن عباس کا قول کیسے حجت ہو سکتا ہے جب کہ خود اس قول میں (علامہ

البانی کے بقول) تعارض موجود ہو؟ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کے دونوں اقوال نقل کیے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

۱) حدثنی علی قال حدثنا ابو صالح قال حدثنی معاویة عن علی عن ابن عباس قوله ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ امر اللّٰه نساء المؤمنين اذا خرجن من بيوتهن فی حاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب ويبدين عينا واحدة(۱۲)

''مجھ سے علی نے بیان کیا' انہوں نے کہا ہم سے ابوصالح نے بیان کیا' انہوں نے کہا مجھ سے معاویہ نے بیان کیا' وہ علی سے اور وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام سے گھر سے باہر نکلیں تو وہ اپنے چہرے کو اپنے سر کے اوپر سے چادر لٹکا کر ڈھانپ لیں اور اپنی ایک آنکھ کھلی رکھیں۔''

۲) حدثنی محمد بن سعد قال حدثنی ابی قال حدثنی عمی قال حدثنی ابی عن ابيه عن ابن عباس قوله ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ..... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ قال كانت الحرة تلبس لباس الأمة فامر اللّٰهُ نِسَآءَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ وادناء الجلباب ان تقنع وتشد علٰی جبينها(۱۳)

''مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا' وہ اپنے باپ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ سے لے کر ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ تک کے بارے میں ابن عباسؓ نے کہا کہ آزاد عورتیں لونڈیوں جیسا لباس پہنتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیا کہ وہ اپنے جلباب لٹکا لیا کریں۔ جلباب کو لٹکانے سے مراد یہ ہے کہ اس کو اچھی طرح اپنی پیشانی پر باندھ لیں''۔

علامہ البانی نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسرا قول پہلے قول کی نسبت زیادہ ضعیف ہے جس میں سوائے پہلے اور آخری راوی کے' درمیان میں کسی راوی کے نام تک کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن

عباس سے مختلف اقوال مروی ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کا حجت ہونا کسی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتا۔

ج) حقیقت یہ ہے کہ ابن عباسؓ کے یہ دونوں اثر باہم متعارض نہیں ہیں' بلکہ ایک ہی معنی اور مفہوم کو بیان کر رہے ہیں۔ ابن عباس کا پہلا قول بھی چہرہ چھپانے کے بارے میں ہے اور دوسرا قول بھی چہرہ چھپانے ہی کے بارے میں ہے۔ ''تَقَنَّعَ'' کے لغوی مفہوم میں چہرہ چھپانا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ علامہ زمخشری نے لکھا ہے:

ان ترخی المرأة بعض جلبابها علی وجهها' تتقنع' حتی تتمیز من الأمة(۱۴)

''کہ عورت اپنے جلباب کا بعض حصہ اپنے چہرے پر لٹکائے گی' یعنی گھونگھٹ نکال لے گی' تاکہ آزاد عورت کی لونڈی سے تمیز ہو سکے۔''

اسی طرح عبیدہ السلمانی کے اثر میں ہے:

قال ابن عون :بردائه فتقنع به ' ففطی أنفه وعینه الیسری واخرج عینه الیمنی وأدنی رداءه من فوق حتی جعله قریبا من حاجبه او علی الحاجب (۱۵)

''ابن عون نے اپنی چادر لی اور اس کا نقاب بنالیا' اپنی ناک اور بائیں آنکھ ڈھانپ دی جبکہ دائیں آنکھ کو کھلا رکھا اور اپنی چادر کو سر سے نیچے کیا' یہاں تک کہ اس کو ابرو تک کیا یا ابرو کو بھی چھپالیا۔''

ابن حجر عسقلانی' بخاری کی ایک روایت ''اَتَی النَّبِیَّ ﷺ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِیْدِ'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله (مُقَنّع) بفتح القاف والنون المشددة وهو کنایة عن تغطیة وجهه بآلة الحرب

''مُقَنَّع'' قاف کی فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اس شخص نے اپنا چہرہ آلاتِ حرب سے ڈھانپ رکھا تھا''۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ابن عباس کے دونوں قول ایک ہی معنی میں ہیں اور وہ معنی چہرے کو چھپانا ہے۔ جب ابن عباس کے قول کا یہ معنی متعین ہو گیا تو ابن عباس کے قول اور ابن سیرین کے قول میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ لہٰذا علامہ البانی کا یہ اعتراض باطل ہوا کہ ابن سیرین کا قول

ابن عباس کے قول کے مخالف ہے۔ اس اثر پر علامہ البانی کے تمام اعتراضات کا ہم نے مدلل جواب دے دیا۔ پروفیسر خورشید صاحب سے درخواست ہے کہ اگر ان کے پاس اس اثر کے حوالے سے کوئی اور اعتراض ہو تو اسے پیش کریں۔

چوتھا شبہ:

پروفیسر خورشید عالم صاحب نے ہمارے مضمون پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ہم نے آیۂ جلباب کے بیان میں تو مفسرین کے اقوال نقل کیے ہیں لیکن سورۃ النور کی آیت ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کے بیان میں مفسرین کے اقوال نقل نہیں کیے۔ پروفیسر موصوف نے اپنے مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آیۂ جلباب اور سورۃ النور کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال میں تعارض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں مفسرین کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مفسرین نے آیت جلباب اور سورۃ النور کی آیت کو مختلف اعتبارات سے جمع کیا ہے، جس کی چند ایک مثالیں ہم یہاں پیش کیے دیتے ہیں۔

پہلی جمع:

بعض مفسرین نے چہرے کو عورت کے ستر میں شمار کرتے ہوئے آیت جلباب سے مراد چہرے کے پردے کا وجوب لیا ہے اور ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے کپڑے، انگوٹھی، سرمہ، خضاب وغیرہ کی زینت (ایسی زینت کہ جس کا ظہور چہرہ چھپانے کے منافی نہ ہو) مراد لی ہے۔ مثلاً:

۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد کپڑے لیے ہیں۔ جیسے:

عن عبد الله بن مسعود ﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ﴾ قال لا خلخال ولا شنف ولا قرط ولا قلادة ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ قال الثياب (۱۶)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ عورتیں اپنی پازیب، بالیاں اور ہار وغیرہ ظاہر نہ کریں، اور ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد کپڑے ہیں''۔

۲) تفسیر بیضاوی: امام بیضاوی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عند مزاولة الاشياء كالثياب والخاتم فان سترها حرجا وقيل المراد بالزينة مواضعها على حذف المضاف او ما يعم المحاسن الخلقية

والتزينية والمستثنى هو الوجه والكفان لانها ليست بعورة والأظهر ان هذا فى الصلاة لا فى النظر فان كل بدن الحرة عورة لا يحل لغير الزوج والمحرم النظر الى شيء منها الا لضرورة كالمعالجة وتحمل الشهادة(۱۷)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے وہ کچھ مراد ہے جو مختلف اشیاء کے استعمال کے وقت ظاہر ہو جائے' مثلاً کپڑے اور انگوٹھی' کیونکہ ان کو چھپانے میں بہت زیادہ تنگی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ زینت سے مراد مواضع زینت ہیں اور یہاں پر مضاف محذوف ہے' یا زینت سے مراد عام زینت ہے جس میں پیدائشی محاسن اور میک اپ دونوں شامل ہیں' اور استثناء سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں' کیونکہ یہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہیں۔ لیکن صحیح رائے یہ ہے کہ دوسرا قول نماز کے ستر کے بارے میں ہے نہ کہ نظر کے ستر کے بارے میں' کیونکہ آزاد عورت کا تمام جسم ستر ہے' شوہر کے علاوہ کسی اجنبی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کے جسم کے کسی حصہ کو دیکھے سوائے ضرورت کے' مثلاً علاج معالجے کے لیے یا گواہی لینے کے لیے۔''

۳) تفسیر زاد المسیر: علامہ ابن جوزی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفيه سبعة اقوال احدها انها ثياب رواه ابو الاحوص عن ابن مسعود وفى لفظ آخر قال هو الرداء ..... والقول الاول أشبه وقد نص عليه احمد فقال الزينة الظاهرة الثياب وكل شيء منها عورة حتى الظفر ويفيد هذا تحريم النظر الى شيء من الاجنبيات لغير عذر فان كان لعذر مثل ان يريد ان يتزوجها أو يشهد عليها فانه ينظر فى الحالين الى وجهها خاصة فاما النظر اليها لغير عذر فلا يجوز لا لشهوة ولا لغيرها وسواء فى ذلك الوجه والكفان وغيرهما من البدن(۱۸)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کے بارے میں سات اقوال مروی ہیں۔ پہلا قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد کپڑے ہیں۔ یہ قول ابوالاحوص نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ ابن مسعودؓ کے اس قول کی بعض دوسری روایات میں چادر کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں ..... پہلا قول صحیح ہے اور امام احمد سے اسی کی صراحت ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ زینت ظاہرہ سے مراد کپڑے ہیں' کیونکہ عورت کا سارا جسم حتیٰ کہ اس کے ناخن بھی

اس کے ستر میں داخل ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کی طرف بغیر عذر کے دیکھنا حرام ہے' اگر کسی عذر کی وجہ سے دیکھے' مثلاً اس سے نکاح کرنے کے لیے' یا اس کے بارے میں گواہی دینے کے لیے' تو ایسی صورت میں بھی صرف اس کے چہرے کو ہی دیکھے گا۔ بغیر عذر کے عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے چاہے شہوت ہو یا نہ ہو۔ اور اس مسئلے پر چہرہ' دونوں ہاتھ اور باقی جسم سب کا ایک ہی حکم ہے۔''

۴) روائع البیان فی احکام القرآن: علامہ صابونی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وجميع هذه النصوص تفيد حرمة النظر الى الاجنبية ولا شك ان الوجه فما لا يجوز النظر اليه فهو اذا عورة (۱۹)

''ان تمام نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے''۔

۵) تفسیر ابن کثیر: امام ابن کثیر ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اى لا يظهرن شيئا من الزينة للاجانب الا ما لا يمكن اخفاء ه قال ابن مسعود كالرداء والثياب ..... وقال ابن عباس وجهها وكفيها والخاتم وهذا يحتمل ان يكون تفسيرا للزينة التى نهين عن ابدائها كما قال ابن مسعود الزينة زينتان فزينة لا يراها الا الزوج' الخاتم والسوار وزينة يراها الأجانب وهى الظاهر من الثياب (۲۰)

''اجنبی مَردوں کے سامنے عورتیں کسی بھی قسم کی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اِس کے کہ جس کو چھپانا ناممکن ہو۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ اس سے مراد چادر یا کپڑے ہیں..... جبکہ ابن عباس کا قول ہے کہ اس سے مراد عورت کا چہرہ' دونوں ہاتھ اور انگوٹھی ہے۔ ابن عباسؓ کے اس قول میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ ابن عباس نے زینت کی جو تعریف کی ہے وہ (زینت ظاہرہ کی بجائے) اس زینت کے بارے میں ہے کہ جس کو ظاہر کرنے سے عورتوں کو منع کیا گیا۔ جیسا کہ ابن مسعود کا قول ہے کہ زینت دو قسم کی ہے: ایک وہ کہ جس کو دیکھنا سوائے شوہر کے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے' وہ انگوٹھی اور کنگن ہیں' اور ایک زینت وہ ہے کہ جس کی طرف دیکھنا اجنبی مردوں

کے لیے جائز ہے اور اس سے مراد کپڑوں کی ظاہری زینت ہے۔''

۶) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عند مزاولة الاشياء كالثياب والخاتم فان فى سترها حرجا ..... فاستثناء الوجه والكفين من عورة الحرة ليس الا لأجل الصلاة ويدل على عدم جواز بداء المرأة وجهها قولهٗ تعالىٰ : ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (۲۱)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ مختلف اشیاء کو استعمال کرتے وقت کپڑے یا انگوٹھی ظاہر ہو جاتی ہے' کیونکہ اُن کے چھپانے میں تنگی و مشقت ہے..... استثناء سے جو آزاد عورت کا چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد لیے گئے ہیں اس سے مراد نماز میں عورت کا ستر ہے پس (عام حالات میں) عورت کے لیے اپنے چہرے کو کھلا رکھنا جائز نہیں ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ﴾۔''

۷) تفسیر کلام المنان المعروف بتفسیر سعدی: علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أى الثياب الظاهرة التى جرت العادة بلبسها اذا لم يكن فى ذلك ما يدعو الى الفتنة (۲۲)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد وہ ظاہری کپڑے ہیں کہ جن کو عام طور پر پہنا جاتا ہے' جب تک کہ ان کپڑوں میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو کہ فتنے کا باعث ہو (یعنی کپڑے بھی سادہ ہونے چاہئیں)۔''

۸) أیسر التفاسیر: شیخ ابوبکر جابر الجزائری ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فما لا يمكنها ستره واخفاء ه كالكفين عند تناول شيء او اعطائه او العينين تنظر بهما وان كان فى اليد خاتم وحناء وفى العينين كحل وكثياب الظاهرة من خمار على الرأس وعباءة تستر الجسم فهذا معفوعنه اذ لا يمكنها ستره (۲۳)

''اس سے مراد وہ زینت ہے کہ جس کا ستر اور چھپانا ناممکن ہو' مثلاً دونوں ہاتھ'

کیونکہ عورتیں کسی چیز کو لیتے وقت یا دیتے وقت ان کو استعمال کرتی ہیں' یا اس سے مراد دونوں آنکھیں ہیں کہ عورت ان سے راستہ دیکھتی ہے۔ ہاتھوں کی زینت سے مراد انگوٹھی اور مہندی ہے اور آنکھوں کی زینت سرمہ ہے۔ اسی طرح ظاہری کپڑے مثلاً سر پر اوڑھی ہوئی چادر اور وہ چادر جو کہ سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے' بھی اس میں شامل ہیں' یہ وہ زینت ہے کہ جس کے ظاہر ہونے پر کوئی پکڑ نہیں' کیونکہ اس کو چھپانا ناممکن ہے۔''

۹) اضواء البیان: علامہ شنقیطی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں مروی دو اقوال کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اظهر القولين المذكورين عندى قول ابن مسعود أن الزينة الظاهرة هى ما لا يستلزم النظر اليها رؤية شيء من بدن المرأة الأجنبية وانما قلنا هذا القول هو الأظهر لانه هو أحوط الاقوال وأبعدها عن أسباب الفتنة وأطهرها لقلوب الرجال والنساء ولا يخفى أن وجه المرأة هو أصل جمالها رؤيته من اعظم أسباب الافتتان بها (۲۴)

''میرے نزدیک ان دو اقوال میں سے صحیح قول ابن مسعودؓ کا ہے کہ زینت ظاہرہ سے مراد ایسی زینت ہے کہ جس کی طرف دیکھنے سے اجنبی عورت کے جسم کے کسی حصے کی طرف دیکھنا لازم نہ آتا ہو۔ ہم اس قول کو اس لیے بہتر قرار دے رہے ہیں کیونکہ یہ احتیاط کے زیادہ قریب ہے' اور اس قول کے اختیار کرنے میں فتنے کے اسباب سے زیادہ دوری ہے اور اس کو اختیار کرنے میں مردوں اور عورتوں کے دلوں کی طہارت کا سامان ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ عورت کا چہرہ ہی دراصل اس کا اصل اور کل حسن ہے' اور عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا عورتوں کے فتنے میں مبتلا کرنے والے بڑے اسباب میں سے ایک سبب ہے''۔

۱۰) البحر المحیط: علامہ ابوحیان الاندلسی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

واستثنى ما ظهر من الزينة والزينة ما تتزين به المرأة من حلى او كحل او خضاب فما كان ظاهرا منها كالخاتم والفتخة والكحل والخضاب فلا بأس بابدائه للأجانب (۲۵)

''زینت ظاہرہ کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور زینت سے مراد زیورات' سرمہ اور

مہندی ہیں۔ پس جو زینت ظاہرہ ہو مثلاً انگوٹھی' چھلا' سرمہ اور مہندی وغیرہ' اگر عورت اس کو اجنبی مَردوں کے سامنے ظاہر کرے گی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

۱۱) معانی القرآن: امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ مثل الكحل والخاتم والخضاب (۲۶)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد سرمہ' انگوٹھی اور مہندی ہے۔''

۱۲) فتح البیان: علامہ قنوجی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ولا يخفى عليك ان ظاهر النظم القرآني النهي عن ابداء الزينة الا ما ظهر منها كالجلباب والخمار ونحوهما مما في الكف والقدمين من الحلية و نحوهما (۲۷)

''اور یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے کہ قرآن کا نظم اور ظاہر اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ عورت کو اپنی زینت کے اظہار سے منع کیا گیا ہے سوائے اس کے جو کہ خود بخود ظاہر ہو جائے' مثلاً جلباب یا دوپٹہ وغیرہ۔ اسی طرح وہ زیورات جو کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں پہنتی ہیں وہ بھی زینت ظاہرہ میں داخل ہیں۔''

۱۳) تفسیر المراغی: امام احمد مصطفیٰ المراغی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اى ولا يظهرن شيئاً من الزينة للأجانب الا ما لا يمكن اخفاءه مما جرت العادة بظهوره كالخاتم والكحل والخضاب (۲۸)

''اس سے مراد ہے کہ عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس چیز کے جس کا چھپانا ممکن نہ ہو اور جو عادتاً ظاہر ہو جائیں' جیسے انگوٹھی اور سرمہ اور مہندی۔''

۱۴) تفسیر القرآن لکلام الرحمٰن: مولانا ثناء اللہ امرتسری ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اى الثياب الظاهرة التى لا تخفى من النقاب وغيره لقوله تعالىٰ: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ اى يسترن وجوههن وصدورهن بالنقاب وقت الذهاب وليس المراد بما ظهر الوجه واليدان لقوله تعالىٰ: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (۲۹)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد ظاہری کپڑے مثلاً نقاب وغیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ کا معنی یہ ہے کہ عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے چہروں اور سینوں کو نقاب سے ڈھانپ لیا کریں۔ اور ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ نہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ ''(اے نبیؐ!) مؤمنوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو دبا کر رکھیں۔''

۱۵) تفسیر ابن ابی حاتم: امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں جلیل القدر تابعین مجاہد اور سعید بن جبیر کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(أ) عن ابن جبير في قول الله ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ يعني الوجه والكفين فزينة الوجه الكحل وزينة الكفين الخضاب ولا يحل ان يرى منها غريب غير ذلك (۳۰)

''حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ چہرے کی زینت سے مراد سرمہ ہے اور ہاتھوں کی زینت مہندی ہے۔ اور کسی اجنبی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی عورت کی زینت میں اس کے علاوہ کچھ دیکھے۔''

(ب) عن مجاهد ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ قال الثياب والخضاب والخاتم والكحل (۳۱)

''مجاہد سے روایت ہے کہ زینتِ ظاہرہ سے مراد کپڑے' مہندی' انگوٹھی اور سرمہ ہے۔''

علاوہ ازیں امام نووی الجاوی نے ''مواح لبید'' میں' علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے ''تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس'' میں' مولانا امین احسن اصلاحی نے ''تدبر القرآن'' میں' سید احمد حسن محدث دہلوی نے ''احسن التفاسیر'' میں' مولانا مودودی نے ''تفہیم القرآن'' میں اور مولانا صلاح الدین یوسف صاحب نے ''احسن البیان'' میں اسی جمع کو اختیار کیا ہے۔

دوسری جمع:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ بھی داخل ہیں۔ لیکن عورت ان کو قصداً کھلا نہیں رکھتی' بلکہ یا تو کسی حرکت کے تحت ان اعضاء کا کھل جانا مراد ہے یا پھر کسی

ضرورت یا مجبوری کے تحت عورت کا ان اعضاء کو کھولنا مراد ہے۔ یہ جمع ورج ذیل مفسرین نے بیان کی ہے:

۱) تفسیر ابن عطیہ: مشہور مفسر ابن عطیہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویظهرلی بحکم الفاظ الآیة ان المرأة مأمورة بالأتبدی وان تجتهد فی الاخفاء لکل ما هو زینة ویقع الاستثناء فی کل ما غلبها فظهر بحکم ضرورة حرکته فیما لا بدا منها واصلاح شان فما ظهر علی هذا الوجه فهو المعفی عنه (۳۲)

''آیت کے الفاظ سے مجھے یہ لگتا ہے کہ عورت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے اور ہر قسم کی زینت کو اچھی طرح چھپانے کی کوشش کرے۔ اور استثناء سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عورت پر غالب آ جائے' مثلاً عورت کوئی ضروری حرکت کرے یا اپنا حلیہ ٹھیک کرنے کی وجہ سے اس کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر ہو جائے تو وہ معاف ہے۔''

امام قرطبی نے بھی ابن عطیہ کی اس جمع کو حسن کہا ہے۔

۲) روح المعانی: علامہ آلوسی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویکون المعنی ان ما ظهر منها من غیر اظهار کان کشفته الریح مثلاً فهن غیر مؤاخذات به فی دار الجزاء وفی حکم ذلك ما لزم اظهاره لنحو تحمل شهادة ومعالجة طبیب (۳۳)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کا معنی یہ ہوگا کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ بغیر اس کا اظہار کیے خود بخود کھل جائے' جیسے ہوا سے کھل جانا' ایسے معاملات میں آخرت میں عورت سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اور اس کے مفہوم میں وہ حصہ بھی شامل ہے کہ جس کا اظہار لازماً ہو جاتا ہو' مثلاً گواہی لینے کے لیے اور ڈاکٹر کے علاج کے لیے (عورت کا اپنے جسم کے کسی حصے کو ظاہر کرنا)۔''

۳) نظم الدرر: امام بقاعی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای کان بحیث یظهر فیشق التحرز فی اخفائه فبدا من غیر قصد کالسوار والخاتم والکحل فانها لا بد لها من مزاولة حاجتها بیدها ومن کشف وجهها فی الشهادة ونحوها (۳۴)

''یعنی وہ چیز ظاہر ہو کہ جس کے چھپانے میں مشقت ہو اور بغیر ارادے کے ظاہر ہو' مثلاً کنگن' انگوٹھی اور سرمہ وغیرہ' کیونکہ عورت کو مختلف اشیاء لینے دینے میں اپنا ہاتھ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح گواہی اور اس قسم کے دوسرے معاملات میں عورت کو اپنا چہرہ بھی کھولنا پڑتا ہے۔''

تیسری جمع :

بعض مفسرین نے سورۃ النور کی آیت ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد ہاتھ اور چہرہ لیا ہے۔ لیکن اس اظہارِ زینت کو اِس صورت میں جائز قرار دیا ہے جبکہ فتنے کا خوف نہ ہو۔

۱) تفسیر جلالین: صاحب تفسیر جلالین ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ وهو الوجه والكفان فيجوز نظرة لأجنبي ان لم يخف فتنة في احد وجهين والثاني يحرم لانه مظنّة الفتنة (۳۵)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہے۔ اس لیے ایک اجنبی کے لیے ان کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ فتنے کا ڈر نہ ہو۔ یہ تو ایک تفسیر ہے' دوسری تفسیر کے مطابق عورت کے ان اعضاء کی طرف دیکھنا حرام ہے' کیونکہ عورت کے یہ اعضاء فتنے کا محل ہیں۔''

۲) التفسیر المنیر: ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والراجح فقهاوشرعا ان الوجه والكفين ليسا بعورة اذا لم تحصل الفتنة فان خيفت الفتنة وحصلت المضايقة وكثر الفساق وجب ستر الوجه (۳۶)

''فقہ وشریعت کے اعتبار سے راجح قول یہی ہے کہ فتنے کی عدم موجودگی میں ہاتھ اور چہرہ ستر میں داخل نہیں ہیں' لیکن اگر فتنے کا اندیشہ ہو اور عورتوں کو تنگ کیا جائے اور فُساق کی کثرت ہو جائے تو ایسے حالات میں عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا واجب ہے۔''

۳) البحر المدید: ابن عجیبہ الحسنی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ الا ما جرت العادة اظهارها وهو الوجه والكفان الا لخوف الفتنة (۳۷)

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد وہ کچھ ہے جس کا عورت کی طرف سے عادتاً اظہار

ہوتا ہو اور یہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں بشرطیکہ فتنے کا خوف نہ ہو۔''

پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے بھی ''ضیاء القرآن'' میں اسی جمع کو اختیار کیا ہے۔ علمائے احناف بھی اسی جمع کو اختیار کرتے ہوئے عورتوں کے لیے چہرے کے پردے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

چوتھی جمع :

بعض مفسرین نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عورت کے ستر اور حجاب میں فرق ہے۔ ستر عورت کا وہ پردہ ہے جو کہ وہ گھر میں اختیار کرے گی اور یہ پردہ سورۃ النور میں بیان ہوا ہے' جبکہ حجاب عورت کا گھر سے باہر کا پردہ ہے اور حجاب کا بیان سورۃ الاحزاب میں ہے۔

۱) ترجمان القرآن: مولانا ابوالکلام آزاد ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''علماء نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں فقہی موشگافیاں بھی کی ہیں اور لکھا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں ہیں' لہٰذا ان کا کھلا رکھنا جائز ہے۔ مگر یہ بات قابل غور ہے کہ زیر بحث آیت میں ستر کا بیان ہے حجاب کا نہیں ہے اور حجاب ستر سے زائد ایک چیز ہے جو غیر محرم مردوں اور عورتوں کے درمیان حائل کر دیا گیا' لہٰذا دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔''(۳۸)

۲) تذکیر القرآن: علامہ وحیدالدین خان ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''خواتین کے سلسلے میں احکام دو پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک وہ جن کا عنوان ستر ہے اور دوسرے وہ جن کا عنوان حجاب ہے۔ ستر کا تعلق جسم کے پردے سے ہے' یعنی عورت خواہ گھر کے اندر ہو یا گھر سے باہر' اس کے لیے اپنے بدن کا کون سا حصہ کس کے سامنے اور کن حالات میں کھلا رکھنا اور کب کھلا رکھنا جائز ہے۔ حجاب کا تعلق باہر کے پردے سے ہے' یعنی اس مسئلے سے شریعت نے عورت کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سفر کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان آیات میں بنیادی طور پر ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ حجاب کا مسئلہ آگے سورۃ الاحزاب میں ہے''۔(۳۹)

مولانا مودودی نے بھی ''تفہیم القرآن'' میں اس جمع کو بیان کیا ہے۔

پانچویں جمع :

بعض مفسرین نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد تو ہاتھ اور

چہرہ ہی ہے' لیکن اس زینت کو ایک عورت صرف اپنے ان محارم کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کا ذکر آگے آیت میں ہو رہا ہے' اجنبی افراد کے سامنے نہیں۔

۳) معارف القرآن: مولانا ادریس کاندھلوی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ خلقی اور قدرتی ہو' جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں' یا مصنوعی اور اختیاری ہو' جیسے پوشاک اور زیور' یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں داخل ہیں جن کا اظہار سوائے محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں' جن کا ذکر آئندہ آیت میں آنے والا ہے۔''(۴۰)

چھٹی جمع:

چھٹی جمع وہ ہے جو کہ غامدی صاحب نے پیش کی ہے۔ وہ یہ کہ سورۃ الاحزاب میں نازل شدہ حکمِ جلباب کو ایک وقتی اور تدبیری حکم مانا جائے۔ پروفیسر خورشید عالم صاحب نے بھی غامدی صاحب کی اس جمع کو اختیار کیا ہے۔ اس جمع کی بنیاد وہ ''کہانی'' ہے جس کو غامدی صاحب نے قانونِ معاشرت سے متعلقہ اپنے لیکچرز میں بیان کیا ہے' جس کا جواب ہم صفحات گزشتہ میں دے چکے ہیں۔

حواشی

۱) ماہنامہ اشراق' مئی ۱۹۹۲ء' ص ۶۰۔
۲) چہرے کا پردہ' مرتبہ انجینئر نوید احمد' ص ۶۷' انجمن خدام القرآن' سندھ۔
۳) المستدرك على الصحيحين' امام حاكم' جلد ۱' ص ۴۵۴۔
۴) موطا امام مالك' امام مالك' كتاب الحج' باب وانما يعمل الرجل مادام حيا۔
۵) تدبر قرآن' امین احسن اصلاحی' جلد ۶' ص ۲۷۰' فاران فاؤنڈیشن' لاہور۔
۶) الرد المفحم' علامہ البانی' ص ۲۸۔
۷) الرد المفحم' علامہ البانی' ص ۲۹۔
۸) تیسیر المصطلح الحدیث' ڈاکٹر محمود الطحان' ص ۱۱۱' ۱۱۲۔
۹) تیسیر المصطلح الحدیث' ڈاکٹر محمود الطحان' ص ۱۸۷۔
۱۰) الرد المفحم' علامہ البانی' ص ۲۹۔
۱۱) الرد المفحم' علامہ البانی' ص ۲۶۔
۱۲) تفسیر طبری' امام طبری' سورۃ الاحزاب: ۵۹۔
۱۳) تفسیر طبری' امام طبری' سورۃ الاحزاب: ۵۹۔
۱۴) تفسیر کشاف' امام زمخشری' الاحزاب: ۵۹۔

۱۵) تفسیر طبری' امام طبری' سورة الاحزاب:۵۹۔
۱۶) المستدرك علی الصحیحین' امام حاکم' جلد۲' ص ۳۹۷۔
۱۷) تفسیر بیضاوی' امام بیضاوی' جلد۴' ص ۹۸' مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی۔
۱۸) زاد المسیر' علامہ ابن جوزی' جلد٦' ص ۳۱'۳۲۔
۱۹) روائع البیان فی احکام القرآن' علامہ صابونی' جلد۲' ص ۱۵٦۔
۲۰) مختصر تفسیر ابن کثیر' علامہ ابن کثیر' جلد۲' ص ٦۰۰' دار القرآن الکریم' بیروت۔
۲۱) التفسیر المظهری' قاضی ثناء الله پانی پتی' جلد٦' ص ٤۹۵'٤۹٦' بلوچستان بك ڈپو' کوئٹہ۔
۲۲)تفسیر سعدی' علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی' جلد۵' ص ٤۱۰' الریاض۔
۲۳) شیخ ابوبکر الجزائری' ص ۲۳٤' جدہ' سعودی عرب۔
۲٤) اضواء البیان' علامہ شنقیطی' جلد٦' ص ۲۰۰۔
۲۵) البحر المحیط' علامہ ابوحیان الاندلسی' جلد٦' ص ٤٤۷۔
۲٦) معانی القرآن' ابوزکریا الفراء' جلد۲' ص ۲٤۹' دار السرور۔
۲۷)فتح البیان' علامہ نواب صدیق الحسن قنوجی' جلد۹' ص ۲۰۵۔
۲۸) تفسیر المراغی' امام احمد مصطفیٰ المراغی' جلد۱٦' ص ۹۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت۔
۲۹) تفسیر القرآن لکلام الرحمن' مولانا ثناء الله امرتسری' ص ٤٦۷' دارالسلام ریاض۔
۳۰) تفسیر ابن ابی حاتم' ابن ابی حاتم الرازی' جلد۳' ص ۲۵۷۵۔
۳۱) تفسیر ابن ابی حاتم' ابن ابی حاتم الرازی' جلد۳' ص ۲۵۷۵۔
۳۲) المحرر الوجیز' ابن عطیہ الاندلسی' جلد۱۰' ص ٤۸۸' ٤۸۹۔
۳۳) روح المعانی' علامہ آلوسی' جلد۱۸' ص ۱٤۱۔
۳٤) نظم الدرر' امام بقاعی' جلد۱۳' ص ۲۵۹۔
۳۵) تفسیر جلالین' امام جلال الدین سیوطی' امام جلال الدین محلی' ص ۳۵٤' تاج کمپنی لمیٹڈ۔
۳٦) التفسیر المنیر' الدکتور وهبہ الزحیلی' جلد۱۸' ص ۲۱۷' دارالفکر دمشق۔
۳۷) البحر المدید' ابن عجیبہ الحسنی' جلد۵' ص ٦۹' دار الکتب العلمیة' بیروت۔
۳۸) ترجمان القرآن' مولانا ابوالکلام آزاد' جلد۳' ص ۲۰'اسلامی اکادمی لاھور۔
۳۹) تذکیر القرآن' علامہ وحید الدین خان' جلد۲' ص ۱۹۲' فضلی سنز کراچی۔
٤۰) معارف القرآن' مولانا ادریس کاندھلوی' جلد۵' ص ۱۱۸' مکتبہ عثمانیہ' جامعہ اشرفیہ لاھور۔

تعارف و تبصرہ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : تعارفِ الکتاب

مؤلف : ڈاکٹر اسرار احمد

ضخامت : 162 صفحات ۔ قیمت:60روپے

ملنے کا پتہ: صفہ پبلشرز' 19-اے' ایبٹ روڈ لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ شعور کی عمر سے ہی وہ قرآن کریم کے درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ قرآن کا پیغام عام کرنا ہی انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد قرار دے رکھا ہے۔ انجمن خدام القرآن' قرآن اکیڈمی' تنظیم اسلامی ڈاکٹر صاحب کے لگائے ہوئے باغیچے ہیں جو اسلامی تعلیمات کی مقدس مہک چہار دانگ عالم میں پھیلا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن فہمی کی خصوصی صلاحیت عطا ہوئی ہے جس سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ قرآنی آیات کے درس میں وہ اسلاف کی تحقیق کو نظر انداز کر کے انوکھی باتیں کرنے کے قائل نہیں' بلکہ وہ دل نشین انداز میں قرآن مجید کی وہی تشریح کرتے ہیں جو اُمت کے صائب الرائے علماء سے منقول ہے۔ ان کا درسِ قرآن سامعین کے قلوب و اذہان میں اتر جاتا ہے اور وہ اپنا جائزہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ الکتاب ان کی ٹیلیویژن پر نشر ہونے والی تیس تقاریر کا مجموعہ ہے جو ۱۳۹۸ھ کے رمضان المبارک میں پروگرام ''الکتاب'' کے عنوان سے پیش کی گئیں۔ چونکہ رمضان شریف کے دوران قیام اللیل میں ہر روز ایک پارے کی تلاوت کی جاتی ہے اس لیے اس پروگرام میں ہر تقریر ایک پارے کے مضامین کی مختصر تشریح پر مشتمل ہے۔ یوں اس کتاب کے سنجیدہ مطالعے سے قارئین قرآنی تعلیمات سے خاصی واقفیت حاصل کر سکتے ہیں اور انہیں اپنے دین کے اوّلین سرچشمہ قرآن حکیم سے اچھا خاصا تعارف ہو جائے گا۔ خاص طور پر رمضان شریف کی راتوں میں قرآن مجید کا جو پارہ

رات کو تراویح میں تلاوت کیا جانا ہو اگر اس پارے کی مختصر تشریح اس کتاب سے پڑھ لی جائے تو تراویح میں قرآن کا سننا زیادہ مؤثر ہو جائے گا۔

اس مفید کتاب کی اشاعت پر صفہ پبلشرز مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(۲)

نام کتاب : شاہِ کونین ﷺ کی شہزادیاں

مصنف : مولانا محمد عبدالمعبود

ضخامت : 492 صفحات ۔ قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ، سرحد

: مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

مولانا محمد عبدالمعبود بزرگ عالم دین، محقق اور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اُن کی کتابیں جامع اور مستند معلومات فراہم کرتی ہیں جو مصنف کی علم دوستی اور دیانت پر دال ہیں: ''شاہِ کونین کی شہزادیاں'' اُن کی تازہ تصنیف ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی چاروں صاحبزادیوں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُمّ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کے حالاتِ زندگی بڑی تحقیق کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ اس کتاب میں سب سے پہلے اس مہیب غلط فہمی کا نص قرآنی اور معتبر کتب تاریخ کے حوالوں سے انتہائی خوبی کے ساتھ ردّ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک بیٹی تھی اور باقی تینوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیٹیاں پہلے خاوندوں سے تھیں۔ کوئی انصاف پسند مولانا کے دلائل پڑھ کر اس باطل عقیدہ پر قائم نہیں رہ سکے گا۔

کتاب کے آغاز میں چاروں بیٹیوں کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا شایانِ شان تذکرہ ہے کہ وہ مکہ کی مالدار خاتون تھیں جو بے حد سمجھ دار، سلیقہ شعار اور باوفا تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی تعریف فرماتے تھے۔ یہی وہ پاکیزہ ہستی ہیں جن کی گود میں بنات النبیؐ نے پرورش پائی۔

سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے جن کا نکاح ابوالعاص سے ہوا۔ ان کی بیٹی امامہ تھی جس کو رسول اللہ ﷺ بہت چاہتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد اُن کی وصیت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے نکاح کیا، مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا علی بن ابوالعاص تھا جو لڑکپن میں ہی فوت ہو گیا تھا۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے حالات لکھے ہیں جن کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان کے ہاں ایک بیٹا عبداللہ پیدا ہوا جو چھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ۲ ہجری میں فوت ہوئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ ذوالنورین ہو گئے۔ حضرت اُمّ کلثومؓ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

آخر میں سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ ان کا ذکر خاصا تفصیل سے ہے' کیونکہ اُن کے بارے میں کئی طرح کی غلط فہمیاں پھیلا دی گئی ہیں۔ حدیث کسا' باغ فدک اور آیۂ تطہیر کے ضمن میں مصنف نے تحقیق کا حق ادا کر کے اس صورت حال کو واضح کر دیا ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے بارے میں یہ کتاب' جس کا پیش لفظ معروف عالم دین مولانا عبدالقیوم حقانی نے تحریر کیا ہے' ایک مستند اور قابل اعتماد دستاویز ہے۔

(۳)

نام جریدہ : ماہنامہ ساحل کراچی

مدیر : ڈاکٹر خالد علی انصاری

ضخامت : تقریباً 100 صفحات ۔ قیمت فی شمارہ: 10 روپے

ملنے کا پتہ: بی۔426 سیکٹر 11۔اے' نارتھ کراچی

یہ ایک منفرد اور ممتاز دینی جریدہ ہے۔ اس میں بین الاقوامی اہمیت کے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ اس میں دی جانے والی معلومات اُن انتہائی خفیہ اور پراسرار منصوبوں کا انکشاف کرتی ہیں جو مغرب اسلام کے خلاف بناتا رہا ہے اور بنا رہا ہے' مگر عالمِ اسلام اس سے بے خبر ہے۔ یہ استعماری طاقتوں کے اُن گھناؤنے عزائم سے باخبر کرتا ہے جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کو کمزور اور بے بس کر دینا چاہتے ہیں۔ مغرب کی اسلام دشمنی کے شواہد بھی پیش کرتا ہے جن کو بڑے مکر و فریب کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ' جدید و قدیم علوم سے آراستہ دانشوروں' کالم نویسوں اور مسلم سکالرز کے لیے اس رسالے کا مطالعہ مفید رہے گا جو اُن کے سامنے علم و آگہی کے کئی نئے

دروازے کھول دے گا۔

اس میں شامل تحریریں اچھوتے اور منفرد انداز کی حامل ہوتی ہیں' ان کا تعلق فکری موضوعات اور عالمی معاملات سے ہوتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی حقیقی فلاح کے لیے درد دل لیے ہوئے دنیا کے ہر حصے میں رہائش پذیر مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کے جذبات رکھتا ہے' ان کے مسائل کو سامنے لاتا ہے اور ٹھوس بنیادوں پر ان کے حل پیش کرتا ہے۔

اس رسالے کا تعلق کسی دینی یا سیاسی جماعت یا گروہ سے نہیں ہے۔ یہ صرف اسلامی فکر کا حامل ہے جس کی بنیاد توحید و رسالت اور قرآن و سنت پر ہے۔ یوں یہ کسی مخصوص فرقے کی سوچ کو نمایاں نہیں کرتا' بلکہ اس کا مقصد صرف اسلام کی عظمت اور حقانیت کو اُجاگر کرنا' مسلمانوں کو مخالفین کے ارادوں سے باخبر کرنا اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات پر دُور رس نگاہ ڈالنا ہے۔ اپنوں اور غیروں پر اس کی تنقید حقائق پر مبنی انصاف کی آئینہ دار اور ہمدردی کے جذبے سے سرشار ہوتی ہے۔ اس میں نہ کسی طرح کا تعصب اور جانب داری ہوتی ہے اور نہ ہی تنقید برائے تنقید۔

اس قدر پُرمغز اور بامقصد تحریروں پر مبنی اس رسالے کا کاغذ عمدہ اور کمپوزنگ خوبصورت ہے۔ قیمت لاگت سے بھی کم رکھی گئی ہے اور اعزازی طور پر بھی بھیج دیا جاتا ہے۔ بس قدر دانوں کی ضرورت ہے۔ عالمِ اسلام کے مسائل کے حل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک نعمت سے کم نہیں۔ ہر اچھی لائبریری میں اس کا ہونا ضروری ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک جامع خطاب

☆ صفحات: 72 ☆ قیمت: 15 روپے

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾

”رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا“

رمضان المبارک کے لیل ونہار کو قرآن حکیم کے ساتھ مزید بابرکت بنائیے!

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ
بانی تنظیم اسلامی و صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے شہرہ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل بیان القرآن

14 DVDs میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور مختصر تشریح | 1190 روپے کے بجائے صرف 900 روپے میں

مزید برآں بیان القرآن MP3 (2CDs) میں بھی 60 روپے کے بجائے 45 روپے میں دستیاب ہے

پیشکش: مکتبہ خدام القرآن لاہور: K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501

پاکستان بھر میں انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے تمام مراکز کے علاوہ:

الحفیظ: 83 شاہراہ قائداعظم لاہور (فون: 6303236، 6360755) پر بھی دستیاب ہے

E-mail: maktaba@tanzeem.org ~ Web: www.tanzeem.org